اصول اسلام

مولانا محمد ادریس کاندھلوی

LIBRARY
JAMIA HAMDARD
U45062
297.2
M70U

مطبوعات نمبر ۱۰۲

نام کتاب	اُصولِ اسلام
نام مصنف	مولانا ادریس کاندھلوی
ٹائیٹل	سید مبین الرحمٰن
پبلیشر	دعوۃ اکیڈمی
	بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
پرنٹر	مطبع ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد
تاریخ اشاعت	فروری ۱۹۹۰ء

LIBRARY
JAMIA HAMDARD

U45062

45062

24 MAR 1994

297.2
M70U

عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ خَاتِمِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ط

۱: ہر مذہب میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک اصول یعنی عقائد اور ایک فروع یعنی احکام۔ اصول محدود اور مختصر ہوتے ہیں اور فروع کا سلسلہ نہایت طویل ہوتا ہے۔

کسی مذہب کا اگر حق یا باطل ہونا، صحیح یا غلط ہونا معلوم کرنا ہو تو اس کے اصول کو جانچنا چاہیئے، کیونکہ فروع اصول کے تابع ہوتے ہیں۔ جب اصول کا حسن وجمال ثابت ہو جائے گا تو فروع کا مستحسن ہونا خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ نیز عقیدہ ایک قسم کی خبر ہوتا ہے جس کا مطابقِ واقع اور موافقِ عقل ہونا، جانچا اور دیکھا جا سکتا ہے اور اسی کے صحیح اور صادق یا غلط اور کاذب ہونے کی بناء پر مذہب کا صحیح اور غلط ہونا موقوف ہے، بخلاف احکام کے کہ وہ از قبیل انشاء ہیں، ان میں زمان اور مکان اور

اشخاص اور احوال کے اختلاف سے تغیر اور تبدّل ہو سکتا ہے،
لیکن خبر میں تغیر و تبدّل نہیں ہو سکتا۔ نیز اصول اسلام کی پاکیزگی کو عقلی
دلائل کے ساتھ ثابت کرنا ضروری ہے اور فروع کے لئے یہ ضروری
نہیں کہ ان کو عقلی دلائل سے ثابت کیا جائے، اس لئے کہ بہت سے فروع
عقل سے ثابت نہیں بلکہ محض سمع اور نقل سے ثابت ہیں، ہاں فروع کے
لئے فقط اس قدر ضروری ہے کہ وہ خلافِ عقل نہ ہوں۔ سو بحمد اللہ، اسلام
کے سب اصول عقلی ہیں، اور فروعِ اسلام میں سے کوئی فرع خلافِ عقل
نہیں۔ اس لئے ہم اس مختصر تحریر میں اصول اسلام کا معقول اور مدلل
ہونا بیان کرتے ہیں تاکہ مذہب اسلام کی حقانیت اور صداقت اہل فہم
پر واضح ہو جائے اور مقصود یہ ہے کہ اسلام کے تین اہم اصول یعنی توحید
رسالت، قیامت کی ایسی تشریح اور توضیح کر دی جائے کہ جو طالبین حق
کے لئے باعثِ شفا و طمانیت اور مخالفین اور متردین کے لئے موجب ہدایت ہو۔

۲: اسلام کے بنیادی اصول تین ہیں ایک توحید، دوسرے رسالت،
تیسرے قیامت، یہی تین باتیں تمام عقائد کی اصلِ اصول ہیں اور انہی تین پر
تمام عقائد کی بناء ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ مخالفین اسلام کے سامنے پہلے
توحید اور رسالت کو ثابت کریں۔ پھر جب توحید اور رسالت ثابت ہو
جائے گی تو اس کے بعد کفار جس فرعی مسئلہ کی دلیل مانگیں گے تو اس کے
جواب میں یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فلاں
ارشاد سے صراحتاً یا اشارتاً ثابت ہے، اس کے بعد اگر وہ یہ کہے کہ یہ حکم
خلافِ عقل ہے تو ہمارے ذمہ اس امر کا ثابت کرنا ہو گا کہ یہ حکم خلافِ عقل

نہیں کیونکہ خلافِ عقل ہونا محال ہے. اس ناچیز نے اپنی کتاب علم الکلام
اور عقائد الاسلام میں اسلام کے عقائد پر تفصیلی کلام کیا ہے اور اس کتاب
میں فقط ان تین اصول کی تشریح مقصود ہے۔

اسلام کی پہلی اصل۔ توحید

۳: اسلام کی پہلی اصل بلکہ تمام اصول کی روح اور جان توحید ہے، توحید لغت میں کسی چیز کو ایک جاننے اور ایک ماننے کا نام ہے، اور اصطلاح شریعت میں حق تعالیٰ کی وحدانیت کو دل وجان سے ماننے کا نام توحید ہے، یعنی دل وجان سے یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں، اس کا نام توحید ہے، توحید کے دو مرتبے ہیں، اوّل مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات میں یکتا سمجھے اور کسی مخلوق کی پرستش نہ کرے اور نہ اس کو مستقل نفع ونقصان کا مالک سمجھے، یہ توحید اہل شریعت کی ہے اور اہل طریقت کے نزدیک توحید یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی پہ نظر نہ رکھے۔ اہل طریقت کے نزدیک اسباب پر نظر رکھنا یہ بھی شرک ہے۔ صرف مسبب الاسباب پر نظر رکھنا یہ توحید ہے، یہ توحید پہلی توحید سے اکمل ہے۔ حضرات صوفیہ کے نزدیک وحدانیت حق کے مشاہدہ کا نام توحید ہے اور بالفاظِ دیگر حادث اور فانی سے منہ پھیر لینا اور ہمہ تن قدیم اور باقی کی طرف متوجہ ہو جانے

کا نام توحید ہے۔

۴: مطلق توحید کا اجمالی اعتراف تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے، حتیٰ کہ جن قوموں میں کھلم کھلا شرک اور بت پرستی ہے، وہ بھی قادر مطلق کی ایک ہی ذات کو مانتے ہیں، البتہ اس کے مظاہر اور صفات کو متعدد مانتے ہیں۔ عیسائی تین خدا مانتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تینوں ایک ہیں۔ گو یہ تعبیر کتنی ہی غلط ہو، لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ توحید کے بالکلیہ ترک پر وہ بھی راضی نہیں بلکہ توحید کے ترک سے یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ شرک کو توحید کے ساتھ جمع کر لیا جائے۔ اگرچہ یہ اجتماع اجتماع نقیضین ہی کیوں نہ ہو۔

غرض یہ کہ مطلق توحید کا اجمالی اعتراف تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اسلام کو جو خصوصیت اور امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ایسی کامل اور خالص توحید کی دعوت دی کہ جو شرک جلی اور شرک خفی کے شائبوں اور خرخشوں سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہے۔

۵: اسلام کی توحید یہ ہے کہ تمام کائنات کا الٰہ ایک ہے، اسی ایک اللہ نے سب کو وجود عطا کیا اور وہی سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ایک ہی الٰہ ساری دنیا کا بلامشقت اور بلاشرکت انتظام کرتا ہے، نہ ذات میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ صفات میں کوئی اس کا شریک ہے، پیدا کرنا، زندہ کرنا عالم الغیب ہونا، رزق دینا مستحق عبادت ہونا یہ تمام صفات اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسلام کے سوا دوسرے مذہب اور دین والے اپنے اوتاروں اور پیغمبروں میں بھی یہ اوصاف مانتے ہیں، اور یہی توحید کا نقص ہے۔ اسلام نے توحید کی تکمیل کے لئے توحید فی الذات

کے ساتھ توحید فی الصفات اور توحید فی العبادت کو بھی غایت درجہ فرض اور لازم قرار دیا، یہاں تک کہ غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی کو بھی (کہ جو دیگر ادیان میں جائز تھا) اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے حرام کر دیا۔

۶۔ **مجوسیوں کا عقیدہ :** مجوسیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں دو طاقتیں کام کر رہی ہیں، ایک یزدان اور دوسری اہرمن۔ یہ دونوں خدا ہیں اور ازلی اور ابدی ہیں۔ البتہ یزدان خیر کا خالق ہے اور اہرمن شر کا خالق ہے، یزدان پیدا کرتا ہے اور اہرمن مارتا اور فنا کرتا ہے، یزدان بناتا ہے اور اہرمن بگاڑتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۷: اس عقیدہ کو اگرچہ زردشت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور مجوسیوں کے مذہب کا رکنِ اوّل ہے لیکن مورخین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ زردشت کے بعد پیدا ہوا، ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ عقیدہ کب پیدا ہوا اور نہ ہمیں اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ یہ عقیدہ صحیح ہے یا غلط۔!

۸: تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کامل مطلق ہو، مجبور اور ناقص نہ ہو، تمام عیبوں سے پاک اور منزہ ہو، کائنات کے وجود کی باگ اس کے ہاتھ میں ہو، یہ تو عقلاء کا اتفاق اور اجماع ہے اور مجوسیوں کے عقیدہ مذکورہ بالا کی بناء پر یہ لازم آتا ہے کہ آدھی مخلوق تو ایک الٰہ کی ہے اور دوسری آدھی دوسرے الٰہ کی ہے۔ ہر خدا میں آدھی آدھی خدائی کی کمی اور کسر ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ خدا وہ ہے جو پوری خدائی کا مالک ہو اور ظاہر ہے کہ خدائی میں کمی اور کوتاہی ایک عیب ہے جس سے خدا کا پاک ہونا ضروری ہے۔ نیز مجوسیوں کے عقیدہ کے موافق

یزدان اور اہرمن دو مستقل طاقتیں ہیں جو ایک دوسرے کے ماتحت نہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد اور مد مقابل ہے اور خدا وہ ہے کہ جس کا کوئی مساوی اور مماثل نہ ہو۔ خدا کا کوئی ہمسر اور مد مقابل نہیں ہو سکتا۔ وہ خدا ہی کیا ہوا جس کا کوئی ہمسر اور برابر ہو۔ پس یزدان تو اس لئے خدا نہیں ہو سکتا کہ اہرمن اس کا مد مقابل ہے، اور اہرمن اس لئے خدا نہیں ہو سکتا کہ یزدان اس کا مد مقابل ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ دو خدا والا عقیدہ یزدان اور اہرمن کا عقیدہ کسی طرح قابل قبول نہیں۔

وقال اللہ لا تتخذوا الٰہین اثنین انما هو الٰہ واحد[1] — اور اللہ کا حکم یہ ہے کہ دو معبود اور دو خدا نہ ٹھہراؤ۔ جزایں نیست کہ معبود تو ایک ہی ہے دو نہیں

۹: عیسائیوں کا عقیدہ: عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین ہیں۔ باپ (خدائے تعالیٰ) بیٹا (عیسیٰ علیہ السلام) روح القدس اور تینوں غیر مخلوق، ازلی، ابدی اور قادر مطلق ہیں اور مسیح بندہ بھی ہے اور مالک بھی ہے، آدمی بھی ہے اور خدا بھی ہے اور کبھی نصاریٰ حضرت مسیح کو خدائے مجسم کہتے ہیں، یعنی خدا جسم میں ظاہر ہوا اور کبھی حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان میں خدا کی صفات بیان کرتے ہیں۔

۱۰: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں تمہارا خدا اور معبود ہوں اور تم میرے بندے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہونا اور انسانوں کی طرح کھانے پینے کا محتاج ہونا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ انسان تھے خدا نہ تھے، اس لئے کہ خدائی اور احتیاج کا جمع ہونا ناممکن اور محال ہے۔

---

(۱) القرآن: ۱۶ (نحل) ۵۱

۱۱: نیز حضرت عیسٰی علیہ السلام کا خدا کی عبادت کرنا سب کے نزدیک مسلّم ہے، پس اگر وہ خدا ہوتے تو ہرگز عبادت نہ کرتے، اس لئے کہ خدا عابد نہیں ہوتا، خدا معبود ہوتا ہے۔ معاذ اللہ نصاریٰ ایسے خدا کے قائل ہیں کہ جو بول و براز سے منزہ نہیں، اور بھوک اور پیاس اس کو لاحق ہوتی ہے

۱۲: نصاریٰ شرک میں پہلے درجے پر ہیں۔ فقط شرک فی الصفات کے قائل نہیں، بلکہ شرک فی الذات کے قائل ہیں، یعنی ذات کے مرتبہ میں تین خداؤں کے قائل ہیں اور باایں ہمہ توحید کے بھی دعویدار ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جس طرح ہمارے نزدیک حقیقت میں تین خدا ہیں، ایسے ہی وہ حقیقت میں ایک بھی ہیں۔ نصاریٰ حق تعالیٰ کو واحد حقیقی بھی مانتے ہیں اور کثیر حقیقی بھی اور اتنا شعور نہیں کہ حقیقی وحدت اور حقیقی کثرت دونوں باہم متضاد ہیں اور اجتماع ضدین اور اجتماع نقیضین باتفاق عقلاء محال اور ناممکن ہے۔

۱۳: نیز اگر کثرت حقیقی اور وحدت حقیقی کا اجتماع پادری صاحبان کے یہاں جائز ہے تو پھر تثلیث ہی پر کیوں قناعت کی۔ پادری صاحبان کو چاہیئے کہ تربیع(۱) اور تخمیس بلکہ تسدیس اور تسبیع اور تثمین اور تعشیر بلکہ تالیف کا بھی اعتقاد رکھیں کہ جس طرح وحدت حقیقی کا تین کے ساتھ جمع ہونا ممکن ہے، اسی طرح وحدت حقیقی کا چار اور پانچ آٹھ اور دس کے ساتھ بلکہ مطلق ترکیب اور تالیف کے ساتھ بھی جمع ہونا ممکن ہے۔

غرض یہ کہ ایسا اتحاد تو اور عددوں میں بھی پایا جاسکتا ہے۔ تین ہی کی کیا خصوصیت جو تثلیث کا اعتقاد تو ضروری ہو اور تربیع اور تخمیس وغیرہ

---

(۱) تربیع: خداؤں کا چار اور پانچ بلکہ چھ اور سات اور آٹھ اور دس ہونا۔

سے انکار ہو۔

۱۴: پادری صاحبان جب دلیل سے لاچار ہو جاتے ہیں تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ امر متشابہات اور اسرار خداوندی میں سے ہے جو ہماری ناقص عقلوں میں نہیں آسکتا۔ افسوس اور صد افسوس کہ نصاریٰ کو محالات اور متشابہات کا فرق بھی معلوم نہیں۔ متشابہات (ذات خداوندی اور صفات خداوندی اور ارواح بنی آدم) ایسی چیزوں کو کہتے ہیں کہ جو معلوم الوجود اور مجہول الکیفیت ہوں یعنی ان کا وجود تو معلوم ہے مگر ان کی کیفیت اور حقیقت معلوم نہیں۔ عقل کو ان کی حقیقت دریافت کرنے میں حیرت ہے اور محالات میں حیرت نہیں ہوتی، ان کا عدم یعنی ان کا نہ ہونا یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ متشابہات میں عدم العلم ہے اور محالات میں علم ہے عدم کا اور استحالہ کا اور عدم العلم اور علم العدم میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

درِ فیض محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے، آتش دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے
معاذ اللہ فرزند خدا کہتے ہو عیسیٰؑ کو
تو دادا کون ہے ان کا بتائے جس کا جی چاہے

۱۵ یہودیوں کا عقیدہ: یہودی عام طور پر توحید خداوندی کے قائل ہیں لیکن ان کا ایک فرقہ حضرت عزیر کو اسی طرح خدا کا بیٹا مانتا تھا جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہود کے اس فرقہ کا ذکر کیا ہے وقالت الیھود عزیر بن اللہ وقالت النصاری المسیح ابن اللہ۔
(یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں) لیکن معلوم نہیں کہ یہ فرقہ اب روئے زمین کے کسی حصہ میں موجود ہے یا نہیں، واللہ اعلم۔

۱۶ ہندو مذہب: ہندو مذہب کسی ایک مذہب کا نام نہیں سینکڑوں

بلکہ ہزاروں فرقوں پر ہندو مذہب کا لفظ بولا جاتا ہے اور وہ آپس میں اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ جن کے عقائد اور اعمال میں نہ تو کسی طرح توفیق اور تطبیق ممکن ہے اور نہ کسی قدر مشترک کا متعین کرنا ممکن ہے، ہندوؤں کی قوم عجیب قوم ہے، اس قوم کا کوئی معبود متعین نہیں، ہر فرقہ الگ الگ خدا کا قائل ہے، کوئی تین خدا کا قائل ہے اور کوئی لاکھ کا اور کوئی دو لاکھ کا، اور کوئی اس سے بھی زیادہ کا۔

۱۷: لطیفہ: جس زمانے میں پورے ہندوستان کے ہندوؤں کی تعداد بیس کروڑ تھی۔ ایک عالم نے دوران تقریر کہا کہ عبادت کرنے والوں (یعنی ہندوؤں) کی تعداد تو بیس کروڑ ہے اور معبودوں کی یعنی دیوتاؤں کی تعداد تیس کروڑ سے بھی زیادہ ہے پس اگر تیس کروڑ کو بیس کروڑ پر تقسیم کیا جائے، تو ایک ایک عابد کے حصہ میں ڈیڑھ ڈیڑھ معبود یعنی ½ ۱ خدا آئیں گے۔ اس حساب سے خداؤں کی تعداد بندوں کی تعداد سے ڈیڑھ گنا سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔

۱۸: بعض فرقے رامچندر جی کو خدا مان کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک خدائے تعالیٰ اوتاروں میں حلول کرتا ہے اور اوتار خود خدا ہوتا ہے، حالانکہ رام چندر اوتار کی بیوی کو لنکا کا راجہ راون چھین کر لے گیا تھا۔ مدت دراز تک رام چندر اس کے عشق میں حیران اور سرگردان پھرتے رہے اور کچھ پتہ نہ چلا۔ بالآخر جب پتہ چلا تو راون کو شکست دینے کیلئے ہنومان وغیرہ سے مدد لی۔ معاذ اللہ، کیا کوئی خدا بھی کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہو کر سرگرداں پھر سکتا ہے، اور معاذ اللہ کیا کوئی خدا کی بیوی کو بہکا کر لے جا سکتا ہے اور پھر کیا خدا اپنی بیوی کو بغیر کسی کی امداد کے چھڑا نہیں سکتا۔

---

(۱) القرآن ۹ (توبہ) ۳۰

۱۹ : بعض کرشن مہاراج کے پرستار ہیں اور ہندوؤں میں ایک فرقہ وہ بھی ہے کہ شرم گاہ کی عبادت کرتا ہے۔ اس فرقہ کا بیان ہے کہ پرلے کے زمانہ میں ایک مرتبہ برہما اور وشنو میں سخت بحث ہورہی تھی، برہما کہتا تھا کہ میں موجودات عالم کا خالق ہوں اور وشنو کہتا تھا کہ میں خالق ہوں۔ یکایک ایک نہایت حیرت انگیز ایک لنگ ظاہر ہوا، جس کو دیکھ کر دونوں حیران اور پریشان ہوگئے اور اس لنگ کے سامنے کانپنے اور تھرتھرانے لگے۔ اتنے میں اچانک یہ آواز آئی اوم۔ اوم اور لنگ کے پہلو میں تین حروف نظر آئے۔ ا۔ و۔ م جس کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ لنگ ہی مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے، اس لئے لنگ کی پرستش کرنے لگے۔

غرض یہ کہ ہندو مذہب اس قسم کے حیا سوز اور شرمناک خرافات اور مہملات کا مجموعہ ہے جس کی تردید کی زحمت گوارا کرنا بھی فضول ہے۔

۲۰ آریہ سماج : آریہ سماج ہندوؤں کے بیشمار فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جس کا بانی پنڈت دیانند سرستی ہے۔ جو سوامی درجانند سرستی کا چیلہ تھا۔ پنڈت دیانند سرستی نے ویدوں اور اپنشدوں کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول کی اور ساتھ ہی ساتھ علوم جدیدہ اور مغربی فلسفہ سے بھی آگاہی اور واقفیت حاصل کی اور یہ چاہا کہ ہندو مذہب کی کمزوریاں اور اس کے تمام عیوب کو چن چن کر الگ کردیا جائے، اور ایسا مذہب تیار کیا جائے کہ جو فلسفہ جدیدہ کے بھی خلاف نہ ہو تاکہ ہندو مذہب ایک مضبوط مذہب بن جائے۔ لہٰذا ایک طرف تو توحید کے مدعی بنے کہ ہم خدا کو ایک مانتے ہیں اور کسی کو اس کا شریک نہیں جانتے۔ اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ روح اور مادہ قدیم ہیں خدائے تعالیٰ نے روح اور مادہ کو پیدا نہیں کیا بلکہ اتفاق سے روح اور مادہ خدا کو مل گئے۔

حق تعالیٰ نے ان دونوں کو جوڑ جاڑ کر قسم قسم کی چیزیں بنائیں۔ اگر خدا کو مادہ کے ذرات نہ ملتے تو خدا نہ زمین پیدا کر سکتا اور نہ آسمان اور نہ چاند اور نہ سورج اور اگر مادہ کے ساتھ روحیں نہ ہوتیں تو انسان اور حیوان کو نہ بنا سکتا۔ یہ فرقہ حق تعالیٰ کو حقیقی معنوں میں خالق نہیں مانتا اور نیز آریہ مذہب پر حق تعالیٰ کو علیٰ کل شیٔ قدیر نہیں کہہ سکتے، کیونکہ ان کے نزدیک حق تعالیٰ بغیر روح اور مادہ کی امداد کے کائنات کے پیدا کرنے پر قادر نہیں اور مادہ اور روح کے فنا کرنے پر قادر نہیں۔

٢١ ایک شبہ اور اس کا ازالہ: بعض حماقت شعار یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر اللہ کی صفت علیٰ کل شیٔ قدیر ہے تو خدائے تعالیٰ اپنا مثل دوسرا خدا بھی بنا سکے گا۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات کاملہ کے ساتھ موصوف ہے اور تمام نقائص اور عیوب سے پاک اور منزہ ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی ایسی صفت نہیں فرض کی جا سکتی کہ جو اس کی صفت کاملہ کے منافی ہو اور عیب اور نقصان کا سبب بنے، پس خدا کا اپنے مثل دوسرے خدا کا بنانا اس کی صفت وحدت اور یکتائی کے منافی ہے، اور اس کے مماثل اور مقابل کا ہونا اس کے لئے عیب ہے، اس لئے دوسرے خدا کا وجود ہی فرض نہیں کیا جا سکتا۔ یہ فرض ہی سراسر غلط ہے۔

٢٢۔ بدھ مت والوں کا عقیدہ: اس مذہب کے پیرو آج کل چین، جاپان، تبت، نیپال، برما، سری لنکا وغیرہ مختلف ملکوں میں موجود ہیں، مگر ہر ملک کے بودھوں کا عقیدہ مختلف اور ایک دوسرے سے جدا ہے۔ بعض مصنفین کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بودھ مذہب میں ذات باری تعالیٰ کی ہستی کا عقیدہ ہی نہیں پایا جاتا اور وہ ایک دہریہ مذہب تھا اور بعض

کہتے ہیں کہ اس مذہب والے وجود باری تعالیٰ کے قائل ہیں اور اس کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں اور برہمنوں کے مشرکانہ عقائد سے بیزار ہیں۔

۲۳۔ **خلاصۂ کلام** : یہ کہ ہر مذہب توحید کا مدعی ہے، لیکن اسلام نے جو خالص اور کامل توحید پیش کی ہے، کوئی قوم اس بے غل وغش توحید کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کسی نے اینٹ اور پتھر کے سامنے گردن ڈال دی اور کسی نے آگ پانی کو قابل پرستش سمجھا اور کسی نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا اور کسی نے یہ سمجھا کہ ایک انسان باوجود تمام بشری حاجتوں کے اور ان کے خیال میں باوجود دشمنوں کے ہاتھ سے مقتول اور مغلوب ہونے کے خدا ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق اور سچا مذہب وہی ہوگا کہ جس کی توحید خالص اور کامل ہو اور جس مذہب کی توحید شرک کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی وہ باطل ہوگا۔

۲۴۔ **شرک کی حقیقت** : شرک چونکہ توحید کی ضد ہے، اس لئے توحید کے بعد شرک کی حقیقت[1] بیان کرنا مناسب بلکہ ایک درجہ میں ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ ضد کے بیان دینے سے اصل کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے (وبضدہا تتبین الاشیاء) شرک کے معنی لغت میں حصہ دار ہونے کے ہیں۔ اور شریعت میں حق تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کو غیر خدا کے لئے ثابت کرنے کا نام شرک ہے، مثلاً غیر خدا کو واجب الوجود سمجھنا جیسے مجوسی سمجھتے ہیں، یا مثلاً جیسا علم خدا تعالیٰ کو ہے، ویسا ہی علم غیر خدا کے لئے سمجھنا، یا جیسی قدرت خدا میں ہے، ویسی ہی قدرت غیر خدا کے لئے ثابت کرنا، یا جیسے مریض کو شفا دینے کی صفت خدا میں ہے ویسی ہی صفت غیر خدا کے لئے سمجھنا یا دنیاوی معاملات میں اپنے ارادہ سے غیر خدا کو متصرف سمجھنا یا غیر خدا کو مستحق عبادت سمجھنا، جس طرح بت پرست

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ۵، ص ۵۰۹ امداد المسائل ص۲ امداد المغتین ص۹۳ المقالۃ المرضیہ فی حکم سجدۃ التحیہ ص۳۶۹

سمجھتے ہیں۔ یہ سب صفتیں اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں، جو شخص ان صفات مخصوصہ میں سے کسی صفت کو غیر خدا کے لئے خدا کی طرح ثابت کرے گا، وہ مشرک کہلائے گا اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ [1]

(بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں، ان میں سے جسے چاہیں گے بخش دینگے۔

۲۵: اس قسم کے شرک سے انسان دائرہ اسلام سے بالکل خارج ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن اور حدیث میں ریاء اور نمود کے لئے نماز پڑھنے اور صدقہ دینے پر بھی شرک کا اطلاق آیا ہے، اور غیر خدا کی قسم کھانے میں بھی شرک کا لفظ استعمال ہوا ہے اور کسی جانور وغیرہ سے بدشگونی لینے پر بھی شرک کا اطلاق آیا ہے۔

۲۶: اس قسم کے مواقع میں شرک سے شرک حقیقی مراد نہیں کہ جس کی بناء پر کفر کا حکم لگایا جائے بلکہ ان افعال پر رسوم شرکیہ کے مشابہت کی بناء پر شرک کا اطلاق کر دیا گیا ہے اور شریعت کا مقصد یہ ہے کہ یہ افعال شدید ترین حرام ہیں اور کفر و شرک کے مشابہ ہیں۔ غیر اللہ کو معبود سمجھ کر سجدہ کرنا شرک اعتقادی ہے، جو تمام ادیان اور ملل میں کفر قرار دیا گیا، اور غیر اللہ کو بطور سلام محض تعظیماً سجدہ کرنا یہ حضرت آدم اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ شریعت محمدیہ میں حرام قرار دیا گیا۔ محض سجدہ تعظیمی بطور سلام وآداب اگر حقیقتاً کفر اور شرک ہوتا تو کسی نبی کی شریعت میں بھی جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ شرک کسی شریعت میں جائز نہیں قرار دیا گیا۔ شریعت محمدیہ چونکہ اکمل الشرائع ہے، اس

---

(۱) القرآن: ۴ (نساء) ۴۸

لئے اس میں سجدہ تعظیمی کو بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ اس لئے کہ اس میں صورت، شرک کی ہے، اس بناء پر غیر اللہ کو بدون اعتقاد معبودیت محض تعظیماً سجدہ کرنا شرک عملی ہوگا۔ شرک اعتقادی نہ ہوگا اور اصل شرک شرک اعتقادی ہے جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کرتا ہے۔

۲۷۔ مشرکین مکہ جو بتوں کی عبادت کرتے تھے یا جو ہندو اپنے اوتاروں کی عبادت کرتے ہیں وہ اپنے بزرگوں کو علم اور قدرت میں خدا کے برابر نہیں سمجھتے، لیکن ان کو شریک فی الالوہیت سمجھتے ہیں اور زبان سے ان کو خدا اور معبود اور شریک خدائی کہتے ہیں جیسا کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰہِ مِمّا ذَرَأَ مِنَ الحرث والانعام نصیبا فقالوا ھٰذا للّٰہ بزعمھم وھٰذا لشرکائنا ۱؎ ان لوگوں نے اللہ کے لئے خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لئے ہے بزعم خود اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لئے وجعلو للّٰہ شرکاء ۲؎ (اور انہوں نے اللہ کے لئے شریک گھڑ لئے)

وتجعلون لہ اندادا ۳؎ (اور اللہ کے لئے شریک گھڑتے ہیں)

۲۸: ان لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ جس طرح شاہان عظیم الشان اپنے مقربان خاص کو ملک کے کسی خاص حصہ کا فرمانروا اور مختار مقرر کر دیتے ہیں، اور وہ بدون حکم شاہی کے رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خود انتظام کرتے رہتے ہیں اور ان کا اجراء اور نفاذ سلطان اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں ہوتا۔ گو اگر وہ روکنا چاہے تو روک سکتا ہے اور غالب اسی کی قدرت رہے گی۔

۲۹: اسی طرح احکم الحاکمین اور بادشاہ علی الاطلاق جل شانہ اپنے خاص بندوں کو رتبہ الوہیت کی خلعت سے سرفراز کرتے ہیں اور ان کو کچھ قدرت مستقلہ عطا فرما کر کسی تدبیر و تصرف کا مختار بنا دیتے ہیں اور وہ اپنی تدبیر و تصرف میں حکم خداوندی کے منتظر نہیں رہتے اور کسی کو نفع اور ضرر پہنچانا حق تعالیٰ کے

۱؎ القرآن: ۶ (انعام)، ۱۳۶ ۲؎ القرآن: ۱۳ (رعد) ۳۲ ۳؎ القرآن: حم (حم السجدہ) ۹-

ارادہ اور مشیت جزئیہ پر موقوف نہیں ہوتا۔ گو اگر حق تعالیٰ روکنا چاہیں تو قدرت اسی کی غالب رہے گی۔

۳۰۔ خلاصۂ کلام: یہ کہ شرک اکبر اور شرک اصغر یا بالالفاظ دیگر شرک اعتقادی اور شرک عملی کا فرق صرف نیّت اور اعتقاد پر ہے۔ اگر غیر اللہ کو رکوع اور سجود بنیت عبادت کیا ہے اور معبود سمجھ کر ان کے سامنے سر جھکایا ہے تو یہ شرک اکبر ہے اور اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ میں اسی قسم کا شرک مراد ہے اور اگر بلا معبود سمجھے ہوئے اور بلا نیّت عبادت محض تعظیماً بطور سلام و آداب کسی کو رکوع اور سجدہ کیا ہے تو یہ شرک اصغر ہوگا۔ بلغاء نے لکھا ہے کہ انبت الربیع البقل (موسم بہار نے ترکاریوں کو اگایا) کا قائل اگر دہری ہے تو یہ کلام اسناد حقیقی پر محمول ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اصل دار و مدار اعتقاد پر ہے اور یہ شرک پہلے شرک سے کم درجہ میں ہے اور یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ میں اسی قسم کا شرک داخل ہے۔

۳۱: معتزلہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں، اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ قدریہ (جو لوگ بندہ کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں) اس امت کے مجوس ہیں، معلوم ہوا کہ معتزلہ باوجود اس عقیدہ کے امت اسلامیہ کے دائرہ سے خارج نہیں۔ اس لئے کہ معتزلہ بندہ کو خدا کی طرح خالق اور فاعل مطلق اور قادر مطلق نہیں مانتے، اسی وجہ سے متکلمین اور فقہاء نے معتزلہ کو فرق اسلامیہ سے شمار کیا ہے۔ حقیقتاً مجوس کی طرح ان کو کافر اور مشرک نہیں بتایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خلق افعال کا شرک مجوس کے شرک سے کم درجہ کا ہے اور یہ شرک انسان کو ملتِ اسلام سے بالکلیہ خارج نہیں کرتا۔

دوسری اصل۔ نبوّت و رسالت

۳۲۔ اسلام کی دوسری اصل نبوت و رسالت ہے، وحدانیت کی طرح نبوت و رسالت کو حق سمجھنا، اور اس پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے جس طرح حق تعالیٰ نے انسان کے جسمانی امراض اور بدنی بیماریوں کے علاج کے لیے اطباء کو پیدا کیا اسی طرح روحانی امراض اور دلی بیماریوں کے علاج کے لیے رسولوں اور نبیوں کو بھیجا تاکہ ہماری روحانی بیماریوں کا مداوا کریں اور جن امور یعنی مثلاً اقوال و اخلاق کو ہماری عقلیں معلوم نہیں کر سکتیں اُن سے بندوں کو آگاہ کریں، ان امور کو بندے اگرچہ خود بخود اپنی عقلوں سے معلوم نہیں کر سکتے لیکن اُن میں اتنی استعداد ضرور ہوتی ہے کہ اگر کوئی اُن کو بتا دے تو اس کو سمجھ سکیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے طبیب اور ڈاکٹر کے بتلائے بغیر ادویہ کے خواص معلوم نہیں ہو سکتے لیکن طبیب کے بتلانے سے معلوم ہو سکتے ہیں اور تجربہ سے پورے طور پر اُن کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

۳۳۔ اب ہم اسلام کی اس دوسری اصل کے متعلق چند ضروری بحثیں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

۳۴۔ **منصبِ نبوّت** : حق جل شانہ، نے کائنات کو مختلف الانواع اور مختلف الاقسام پیدا فرمایا اور کائنات کی کوئی نوع ایسی نہیں کہ جس کے افراد میں حق تعالیٰ نے اختلاف اور تفاوت نہ رکھا ہو جمادات میں کوئی سنگریزہ ہے اور کوئی ہیرہ ہے، نباتات میں ساگ اور پالک بھی ہے اور گل بنفشہ اور زعفران بھی ہے۔ حیوانات کو لیجئے اُن میں گدھا اور کُتا بھی ہے اور بکری اور ہرن بھی ہے، انسانوں کو لیجئے کسی کا دل آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہے، کسی کا دل لوہے اور پتھر کی مانند ہے۔ آفتاب کی شعاعیں لوہے اور آئینہ

سب پر پڑ رہی ہیں جو دل آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہے وہ آفتاب کی روشنی کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور آفتاب کا جلوہ دکھاتا ہے اور جو دل ابھی آئینہ ہی نہیں بنا یا آئینہ تو ہے مگر زنگ آلود ہے یا سیاہ ہے وہ آفتاب کے عکس کو قبول نہیں کرتا قصور قابل کی جانب ہے فاعل کی جانب سے نہیں اسی طرح سمجھو کہ نور السموات والارض کے انوار و تجلیات کے عکس کو وہی آئینہ دل قبول کر سکتا ہے کہ جو تمام رذائل کے الوان سے پاک ہو اور ہر قسم کے زنگ سے صاف ہو چکا ہو۔

۳۵۔ پس بنی آدم میں سے جو نفوس آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہوں۔ اور حیوانی اور شیطانی مادہ سے پاک اور منزہ ہوں ان میں سے حق جل شانہ، کسی کو اپنی سفارت اور خلافت کے لیے منتخب فرماتے ہیں اور اُن کو اپنے کلام اور خطاب خاص سے عزت بخشتے ہیں اور اپنے احکام اور ہدایات سے اُن کو مطلع کرتے ہیں تاکہ یہ پاک نفوس حق جل شانہ، اور اس کے عام بندوں کے درمیان واسطۂ ابلاغ اور ذریعۂ پیغام خداوندی بن سکیں۔ تاکہ لوگوں کو رشد اور ہدایت کی راہ پہ لگائیں۔ اور مہلکات سے ڈرا کر دوزخ سے بچائیں اور منہیات کا پتہ دے کر راہِ نجات پر لے آئیں۔ پس جس برگزیدہ بندہ کو حق تعالیٰ خلقت کی ہدایت کے لیے اپنا پیام اور احکام دے کر بھیجیں، اہلِ اسلام کی اصطلاح میں اُس کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔ لفظ نبی اور نبوت۔ نبأً سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی خبر کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں نبی اس برگزیدہ بندہ کو کہتے ہیں کہ جو من جانب اللہ۔ ہدایت خلق اور احکام الہیہ اور اخبار خداوندی کی تبلیغ پر مامور ہو یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ نبی اُس برگزیدہ بندہ کو کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ نے اپنے خاص خبروں اور حکموں کے لیے مخصوص کیا ہو کہ اُن خبروں کو ذی عقل مخلوقات کی طرف پہنچائے تاکہ یہ برگزیدہ بندہ تمام لوگوں کو اُن تمام باتوں سے واقف کر دے جو لوگوں کے دین اور دنیا کے صلاح اور فلاح کا ذریعہ ہیں۔ پس جو برگزیدہ بندہ خدا تعالیٰ سے خبر پا کر بندوں کو خبر دے وہ نبی ہے اور ان چیزوں کے خبر

دینے کا نام نبوت ہے اور وزارت اور سفارت کی طرح یہ ایک منصب جلیل ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا کیا گیا۔ محقق ابن امیر الحاج شرح تحریر الاصول میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال بعض المحققین اجمع الاقوال الشارحة للرسالة الالهیة انها سفارة بین الحق تنبیه اولی الالباب علیٰ مایقصر عنه عقولهم من صفات معبودهم ومعادهم ومصالح دینهم ودنیاهم ومستحسنات تهذیبهم ودافع تنبیه تردیهم۔ الخ [۱]

بعض محققین فرماتے ہیں کہ نبوت و رسالت کی سب سے زیادہ جامع تعریف یہ ہے کہ نبوت و رسالت، اُس منصب سفارت کا نام ہے کہ جو حق تعالیٰ اور مخلوق کے مابین ہوتا کہ خدا تعالیٰ کا یہ سفیر (نبی) اس منصب سفارت کے ذریعہ اہل عقل کو اُن امور سے آگاہ کرے جس سے اہل عقل کی عقول قاصر اور عاجز ہیں۔

مثلاً اُن کو معبود برحق کی صفات اور کمالات اور معاد یعنی آخرت اور دینی اور دنیوی مصالح سے آگاہ اور واقف کرے اور پند و نصائح سے ان کی ہدایت اور رہنمائی کرے اور اُن شبہات کا ازالہ کرے جو ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب ہوں۔

۳۶۔ فائدہ: حضرات انبیاء کرام اگرچہ ایسے امور کو بیان فرماتے ہیں کہ جو لوگوں کی عقلوں سے بالا ہوتے ہیں، اور لوگ اُن کو اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتے لیکن اُن میں اتنی استعداد ہوتی ہے کہ اگر کوئی اُن کو بتائے تو اُن کی عقلیں اس کو سمجھ سکتی ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے طبیب اور ڈاکٹر کے بتلائے بغیر ادویہ کے خواص معلوم نہیں ہو سکتے مگر طبیب کے بتلانے سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور عقل پورے طور پر اُن کی تصدیق کرتی ہے اور معلوم کر کے اُن کو عمل میں لا سکتے ہیں۔

۳۷۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نبوت کے معنی ارتفاع اور علو یعنی بلندی کے ہیں۔ پس نبی

---

(۱) ج: ۱، ص: ۷

وہ شخص ہے جس کو بارگاہِ خداوندی سے خاص طور سے بلندی حاصل ہو کہ بلا کسی تعلیم و تعلم اور بلا کسی کسب اور اکتساب کے خدا کی جانب سے ایسے علوم اور معارف عطا کیے گئے کہ جو عقل سے بالاتر اور برتر ہیں، اور کسب اور اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتے، اور پھر من جانب اللہ اس کو یہ حکم ہوا کہ وقتاً فوقتاً ہماری بارگاہ سے جو حکم، جو خبر، اور جو پیغام تم پر اُترے وہ بندوں تک پہنچا دو۔ پس جو اللہ تعالیٰ کے ان علوم اور احکام کو بندوں تک پہنچائے وہ نبی ہے، اور اس عظیم الشان منصب اور بلند ترین مرتبہ کا نام نبوت اور رسالت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خداوند ذوالجلال کی سفارت اور خلافت سے بڑھ کر کوئی بلند اور برتر منصب نہیں ہو سکتا۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ یہ وہ بلند منصب ہے کہ جس کے سامنے ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی ہیچ ہے اسی وجہ سے تمام اہل اسلام کا اجماع ہے نبوت محض عطیۂ خداوندی اور موہبت ربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نبوت کی خلعت سے سرفراز فرماتا ہے۔ (اللہ منتخب کر لیتا ہے اپنی رحمت سے جسے چاہے)

۳۸۔ فلاسفہ کے نزدیک نبوت مجاہدہ اور ریاضت سے بھی حاصل ہو سکتی ہے ان کے نزدیک امر کسبی ہے اور اہل اسلام کے نزدیک امر وہبی ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی لائق اور قابل کیوں نہ ہو، محض قابلیت سے خود بخود وزیر اور سفیر نہیں بن سکتا۔ جب تک بادشاہ کسی کو اپنے حکم سے وزیر اور سفیر مقرر نہ کرے منصب اور عہدہ کے لیے حکم سلطانی ضروری ہے محض قابلیت کافی نہیں۔

۳۹۔ نبیؑ اور رسول میں فرق: بعض علماء کا قول ہے کہ نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں ان دونوں لفظوں کا اطلاق ایک ہی معنی میں ہوتا ہے۔ محققین کے نزدیک نبی اور رسول میں فرق ہے، اور یہی جمہور کا مسلک ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ جس شخص پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہو اور ہدایتِ خلق اور تبلیغ احکامِ الٰہیہ پر مامور ہو وہ نبی ہے، اور اگر

---

[۱] شرح تحریر الاصول ص۔ و فیض القدیر للمناوی ج۔ و بیان القرآن ج۱۱ سورۂ مریم

اس کے علاوہ اُس کو من جانب اللہ کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو مثلاً اس کو کوئی نئی کتاب یا نئی شریعت دی گئی ہو یا شریعت تو جدید نہ ہو مگر جس قوم اور اُمت کی طرف بھیجے گئے ہوں وہ جدید ہو۔ جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کہ اُن کی شریعت تو شریعتِ ابراہیمیہ تھی مگر اُن کی بعثت دوسری قوم کی طرف ہوئی تھی یعنی قوم جرہم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یا مکذبین کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے بھیجا گیا ہو وغیرہ وغیرہ تو اس کو نبی رسول یا رسول نبی کہتے ہیں۔

ہر نبی کو حق تعالیٰ نے وحی اور نزولِ ملائک سے سرفراز فرمایا۔ اور ہر نبی کو اتنے معجزات بھی عطا فرمائے جس سے اُن کی نبوت اور پیغمبری ثابت ہو جائے۔ مگر بعض انبیاء کرام کو اس کے علاوہ کچھ خصوصی امتیاز بھی عطا ہوئے۔ مثلاً حضرت آدم کو حق تعالیٰ نے خود اپنے بے چون و چگون دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنا خلیفہ بنایا۔ اور مسجود ملائک بنایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے سرفراز فرمایا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کو اپنی خلعت کا خلعت پہنایا وغیرہ وغیرہ۔ پس حضرات انبیاء میں سے علاوہ وحی الٰہی اور معجزات کے جن کو بارگاہِ خداوندی سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہوا وہ نبی رسول یا رسول نبی کہلاتے ہیں۔

انبیائے کرام کی ضرورت

۴۔ آزاد طبع لوگوں کا ایک گروہ تو وہ ہے کہ جو اپنے کو خدا تعالیٰ ہی سے آزاد خیال کرتا ہے اور اپنے وجود کو مادہ اور اس کی حرکت قدیمہ کا مرہونِ منت سمجھتا ہے اور خدا ہی کا قائل نہیں، اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتا ہے اور کچھ آخرت کا بھی قائل ہے مگر یہ کہتا ہے کہ محض خدا کو ماننے سے انسان نجات پا سکتا ہے، انبیائے کرام اور اُن کی تعلیم کی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتا، اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن کو اپنی عقل پر گھمنڈ ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح ہم اپنی عقل سے جسمانیات اور مادیات کی تحقیق کر سکتے ہیں

اسی طرح ہم اپنی عقل سے روحانیات کی بھی تحقیق کر سکتے ہیں۔ ہمیں کسی روحانی معلم اور مربی کی ضرورت نہیں، یہ عقل کی پہلی ٹھوکر ہے کہ روحانیات میں اپنے کو معلّم اور مربی سے مستغنی سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ جسمانیات اور حیات میں بھی معلّم اور مربی سے مستغنی نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ جو نسبت روح اور جسم میں ہے وہی نسبت معلم جسمانی اور معلم روحانی کی ضرورت میں ہے اس نادان کو یہ خبر نہیں کہ جسم بغیر روح کے باقی نہیں رہ سکتا، فرق اتنا ہے کہ جسم نظر آتا ہے اور روح نظر نہیں آتی۔ یہ گروہ الہامی کتابوں کو تقویم پارینہ اور پرانی دستاویزیں سمجھتا ہے جو قابل دریا بُرد ہیں۔ حالانکہ گذشتہ فلاسفہ اور سائنس دانوں کی پرانی دستاویزوں کو غایت درجہ حفاظت سے رکھتا ہے۔ اُن کے متعلق کبھی یہ گمان نہیں کرتا کہ قدیم سائنس دانوں کی تحقیقات کے تمام دفتر دریا بُرد کر دیئے جائیں۔ اور اب ہمیں ان دستاویزوں کی ضرورت نہیں۔

۴۱۔ کوئی شخص کتنی ہی بڑی استعداد اور قابلیت کا حامل بن جائے۔ مگر اُس کو بغیر اس کے چارہ نہیں کہ وہ گذشتہ فلاسفہ اور سائنس دانوں کی فضیلت اور قابلیت کو تسلیم کرے اور جس راہ سے انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا ہے اسی راہ سے اس راہ پر چلے۔ بغیر ان کی رہنمائی اور اُن کے اُصول کی پیروی کے کامیابی ممکن نہیں۔

۴۲۔ **حقیقت نسخ:** اصول نہیں بدلتے تجربے بدلتے ہیں اور جنتری کے اصول بحالہ قائم ہیں لیکن تاریخیں ہر سال کی مختلف ہیں اور شریعت محمدیہ آخری شریعت ہونے کی وجہ سے دائمی جنتری کا حکم رکھتی ہے۔

۴۳۔ شریعت اسلامیہ کو علم ہندسہ اور تحریر اقلیدس کی طرح سمجھو کہ حد کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اس میں غلطی نکالنا اپنی جہالت اور نادانی کا ثبوت بہم پہنچانا ہے۔ موجودہ سائنس نے جو تحریر اقلیدس میں ترقی کی ہے وہ اصولی ترقی نہیں بلکہ تجربی ترقی ہے، اقلیدس کے دعووں کو ثابت کرنے کے لیے اور ان کو حسی طور پر سمجھانے کے لیے پیمائش کے آلات ایجاد کر دیئے اس ترقی سے اصول علم میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ صرف حسی تجربہ

میں اضافہ ہوا۔ یا یوں کہو کہ عقل سے بوجھ ہلکا ہو گیا اور تمام بوجھ ظاہری حواس پر آپڑا مادیات کی ترقی ہے۔ مگر عقل کا تنزل ہو رہا ہے۔

۴۴۔ یہود نسخ کو محال سمجھتے ہیں اور انہوں نے نسخ کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ ایک حکم صادر کر دیا اور بعد میں جب اس میں غلطی نظر آئی تو اس میں ترمیم کر دینی یا اُس کو بالکل اُڑا کر اس کی جگہ کوئی دوسرا مناسب حکم رکھدینا۔ خوب سمجھ لو کہ اس قسم کے نسخ کو ہم بھی محال کہتے ہیں مگر جس نسخ کے ہم قائل ہیں اس کے معنی فقط تبدیل حکم کے ہیں۔ یعنی ایک حکم صادر کیا جائے اور محکوم (یعنی جس کو حکم دیا گیا ہے) وہ اس حکم پر ایک مدت تک عمل کرتا رہے پھر حاکم کسی مصلحت سے بجائے اُس کے اُس کو دوسرا حکم دے دے تو یہ نسخ ہے حکم دینے والے کے علم میں تھا کہ یہ حکم چند روز کے لیے ہے۔ مگر محکوم کو اس کی خبر نہ تھی۔ حکم دینے والے کے علم میں جو اس حکم کی میعاد اور مدت تھی جب وہ ختم ہو گئی اُس نے اُس کے بجائے دوسرا حکم صادر کر دیا اور یہ محال نہیں بلکہ اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔

۴۵۔ بادشاہوں کے احکام میں تغیرّ اور تبدل کا ہونا اور طبیبوں کے نسخوں میں تغیرّ و تبدل ہونا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ یہود جو نسخ کے محال ہونے کے مدعی ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نسخ کے محال ہونے کی موجود نہیں صرف مذہب اسلام سے گریز اور پہلو تہی کے لئے یہ قاعدہ گھڑا ہے۔

۴۶۔ عقل یہ کہتی ہے کہ جس خدا نے ہم کو وجود عطا کیا اُس کی معرفت اور اطاعت اور اُس کی رضاجوئی اور اس کا شکر ہم پر واجب ہے، اور اس کی صحیح معرفت اور طریقۂ اطاعت اور ادائے شکر کی صحیح کیفیت بدوں اس کے بتلائے اور واقف کرائے ممکن نہیں۔ جس طرح ہم کو ایک مجازی بادشاہ کے احکام بدون وزیر کے نہیں معلوم ہوسکتے تو شہنشاہ حقیقی کے احکام سے واقف ہونے کے لیئے ایک واسطہ

چاہیے اُس واسطہ کا نام شریعت کی زبان میں نبی اور رسولؑ ہے۔

۴۷۔ نیز لوگوں کی عقلیں متفاوت بھی ہیں اور مختلف بھی، کوئی کسی چیز کو اچھا سمجھتا ہے اور کوئی بُرا۔ کوئی شخص بت پرستی کو عبادت اور ذریعۂ نجات سمجھتا ہے اور دوسرا اس کو کفر اور شرک اور عین ضلالت اور ہلاکت سمجھتا ہے۔

حق تعالیٰ نے اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے حضرات انبیاء کو مبعوث فرمایا تاکہ تمام لوگ ایک صحیح مرکز پر جمع اور متفق ہو جائیں۔

۴۸۔ اگر حضرات انبیاء مبعوث نہ ہوتے تو دنیا سے نیک و بد اور ایمان اور کفر اور عدل اور ظلم کی تمیز اُٹھ جاتی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کیا ہے۔ اُن کا یہ قول ایسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی یہ کہے کہ صدق اور کذب اور ظلم اور عدل میں کیا فرق ہے۔ جس کی جیسے مصلحت ہو وہ کرلے۔

۴۹۔ کسی ملک کے باشندے کتنے ہی تعلیم یافتہ اور عاقل اور دانا کیوں نہ ہوں مگر حکومت ملک کو شخصی آراء اور ذاتی خیالات پر نہیں چھوڑ دیتی بلکہ اُن کے لیے ایک دستور اور قانون مقرر کرتی ہے اور نہ کبھی کسی ملک کے باشندوں نے یہ احتجاج کیا کہ ہمیں کسی قانون اور دستور کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے عقل جیسی نعمت عطا کی ہے لہذا ہمیں کسی دستور اور قانون کی ضرورت نہیں۔

فسادِ عالم کا اصل سبب اغراض اور نفسانی خواہشیں ہیں

۵۰۔ اور ان کی اصلاح حضرات انبیاء کرام اور ان کی شریعتوں سے ہوئی ولو اتبع الحق اھواھم لفسدت السموٰت والارض۔[1] (بالفرض اگر دین حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا تو تمام آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں ہے، سب تہ و بالا ہو جاتے) ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون۔[2] (ان خواہشات کی پیروی نہ کرو جن کے بارے میں تمہیں کچھ بھی معلوم

(۱) القرآن: ۲۳ (مؤمنون)، ۷۱، (۲) القرآن: ۴۵ (جاثیہ)، ۱۸۔

نہیں) اسی وجہ سے انبیاء کا معصوم عن الہوی ہونا لازم ہوا اس لیے کہ خودغرض اور شہوت پرست کی اطاعت پر کوئی دل آمادہ نہیں ہوتا حتیٰ کہ خودغرض بھی خودغرض کی اطاعت نہیں کرتا۔ اور بے غرض کی اطاعت پر خودغرض بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔

(دلیل دوم)

۵۱۔ رعایا کو بادشاہ اور اس کے دستور اور قانون کی اتنی حاجت نہیں جتنا کہ بندوں کو خالق کی اطاعت اور اس کے دستور اور قانون یعنی شریعت کی ضرورت ہے۔ بندہ بدون خدا کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور رعایا بدون بادشاہ اور حکومت کے زندہ رہ سکتی ہے۔ جیسے پانچ سو سال پہلے امریکہ زندہ رہتا تھا اور وہاں کوئی حکومت اور قانون نہ تھا۔ اور اسلام کا قانون امریکہ کے وجود اور ظہور سے سات سو سال پہلے موجود تھا اور دنیا میں رائج تھا اور یورپ نے اسلامی فقہ کو سامنے رکھ کر قانون بنایا ہے جیسا کہ المقارنات التشریعیہ و تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں اس پر مفصّل بحث کی ہے۔ افسوس کہ اب ہمارے روشن خیال بھائی یہ پوچھتے ہیں کہ کیا اسلام میں کوئی دستور اور قانون موجود ہے اور اگر ہے تو آج کل اس قانون پر کیسے حکومت چل سکتی ہے۔ یہ ناچیز کہتا ہے کہ حکمرانی اور عدل عمرانی کا صحیح طریقہ وہ ہے جو اسلام نے بتایا جس کا جی چاہے علماء اسلام سے مناظرہ کرلے اور اسلامی دستور اور مغربی دساتیر کے موازنہ پر کانفرنس بلائی جائے۔ خلاصہ کلام یہ کہ بندوں کو دینی اور دنیوی امور میں خداتعالیٰ کی غایت درجہ احتیاج ہے۔ جس کے سامنے بادشاہ اور حکومت اور قانون اور دستور کی حاجت پاسنگ کی نسبت بھی نہیں رکھتی۔

۵۲۔ **وحی اور الہام**: وحی کے معنی لغت میں اشارہ اور کلام خفی کے ہیں کہ جس میں ظاہری حواس کو دخل نہ ہو اور الہام کے معنی ہیں۔ دل میں کسی چیز کا ڈالنا اور القاء کرنا معنی لغوی کے لحاظ سے دونوں لفظ قریب قریب ہیں اس معنی میں

کائنات عالم میں سے کوئی مخلوق بھی ایسی نہیں، کہ جو وحی اور الہام کے فیض سے محروم ہو جمادات اور نباتات اور حیوانات اور انسانوں اور فرشتوں اور جنات سب کو اپنے خالق سے القاء اور الہام ہوتا ہے۔ مگر فرق درجات اور مراتب کا ہے ہر مخلوق کو اپنے مرتبہ کے مطابق بارگاہِ خداوندی سے القاء ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا [1] (اور قسم ہے انسان کی، اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا، اور پھر اس کو بدی اور پرہیز گاری القا کی)

وَاَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى [2] (جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا کی، پھر رہنمائی فرمائی)

وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا [3] (اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم (فرشتوں کو) بھیجدیا)

۵۲۔ غرض یہ کہ ہر مخلوق کے دل میں اپنے خالق کے ساتھ تار برقی کا کوئی سلسلہ ضرور ہے۔

۱: جمادات اور نباتات کو یہ الہام ہوتا ہے کہ اس جانب میں بڑھو۔ فلسفی اور دہری کہتا ہے کہ یہ مادہ کی حرکت ہے، خدا پرست کہتا ہے کہ حرکت کسی محرک کے بغیر ممکن نہیں۔

۲: شہد کی مکھیوں کو الہام ہوتا ہے کہ فلاں فلاں درخت کے پھل کا رس چوس کر آؤ تا کہ شہد تیار ہو، حیوانات کے الہام کی دلیل یہ ہے کہ وہ ان نباتات کو خوب پہچانتے ہیں جو ان کے لئے مفید ہیں، اور جو ان کے لئے نقصان دہ ہیں۔

۳: عام انسانوں میں الہام کا سلسلہ ہے، شیر خوار بچہ اپنی ماں کو پہچانتا ہے

---

(۱) القرآن: ۹۱ (الشمس)، ۸۔ (۲) القرآن: ۲۰ (طٰہٰ)، ۵۰۔ (۳) القرآن: ۴۱ (حٰم السجدہ)، ۱۲۔

اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی چھاتی سے اسے دودھ کس طرح پینا ہے۔
ذہن میں اچانک کسی چیز کا آجانا ہی الہام ہے۔ کسی معمولی شخص کے دل میں دفعتہً غیر معمولی بات کا آجانا بھی الہام ہے۔ اور اصطلاح شریعت میں وحی اُس پیغام اور کلام کو کہتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی پر القاء ہو، خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ کسی فرشتے کے ہو۔

۵۴۔ ہمارا نفس ناطقہ، اعضاء جسمانی کو جو حکم دیتا ہے اعضاء اس کی تکمیل کرتے ہیں کیونکہ سب اس کے تصرف میں ہیں اور وہ سب پر حاکم ہے مگر ہم قصور ادراک کی وجہ سے نفس ناطقہ کے کلام اور اس کے احکام کی حقیقت نہیں سمجھتے مگر اجمالاً اتنا ضرور جانتے ہیں کہ نفس ناطقہ کو ان اعضاء کے ساتھ خاص تعلق ہے کہ جس کی بناء پر اُن کو حکم دیتا ہے کہ یہ کام کرو اور یہ کام نہ کرو۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ نفس ناطقہ اندرونی طور پر ان اعضاء سے ضرور کوئی کلام اور خطاب کرتا ہے جو حرف اور صوت (آواز) سے پاک ہے۔ پس جس طرح نفس ناطقہ اپنے اعضاء پر تعلق خاص کی بناء پر حکم نافذ کرتا ہے۔

۵۵۔ اسی طرح کائناتِ عالم کو سمجھو کہ تمام کائنات حق تعالیٰ کے تصرف میں ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ اندرونی طور پر حکم نافذ کرتا ہے کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ حق تعالیٰ شانہ، کے اسی اندرونی کلام اور پیغام کا نام وحی ہے جو درجۂ جنس میں تمام کائنات میں مشترک ہے مگر انواع و اقسام کے اعتبار سے اس کے درجات اور مراتب میں شہد کی مکھی اور مکڑی دونوں پر وحی آتی ہے۔ مگر نوعیت مختلف ہے۔

۵۶۔ درجۂ جنس میں فرشتوں پر بھی وحی آتی ہے اور شیاطین اور جنات کو بھی القاء ہوتا ہے۔ مگر فرق زمین اور آسمان کا ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ انبیاء پر وحی آتی ہے

اور کاہنوں اور دجالوں پر بھی وحی آتی ہے مگر دونوں وحیوں میں فرق ہے۔

۵۷۔ انبیاء پر جو وحی آتی ہے وہ اکثر و بیشتر فرشتوں کے واسطہ سے آتی ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ (۱) (اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے آپؐ کے قلب پر) اور کاہنوں اور دجالوں پر شیاطین وحی لے کر آتے ہیں۔ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ (۲) (اور شیاطین یقیناً اپنے دوستوں کو تعلیم کر رہے ہیں) لفظ وحی مرتبہ جنس میں اگرچہ عام ہے انسان اور جن اور فرشتہ سب کو شامل ہے۔ مگر اصطلاح میں وحی اسی کلام اور پیام کو کہتے ہیں جو من جانب اللہ کسی برگزیدہ بندہ پر نازل ہو۔ جیسے لفظ کلام اگرچہ درجۂ جنس میں حیوانات کی بولی کو بھی شامل ہے مگر اصطلاح میں صرف انسان کے بول کو کلام کہتے ہیں۔ موجودہ سائنس نے حواس ظاہری کی امداد کے لیے کچھ آلات ایجاد کیے ہیں بڑی بڑی نفیس دوربینیں بنائی ہیں جس سے دور کی چیزیں نظر آجاتی ہیں حتیٰ کہ آسمان کے ستارے اور ان کی حرکات نظر آنے لگتی ہیں۔

۵۸۔ اور خوردبین بنائی ہیں جن سے وہ باریک سے باریک چیزیں نظر آجاتی ہیں جو آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی۔ اسی طرح شعاع بصری کے نفوذ کو قوت دینے کے لیے ایسے آلات ایجاد کیے ہیں جن کے استعمال سے شعاع بصری اجسام متحجرہ سے پار ہو کر اُن کے پیچھے کی چیزیں بھی بتلا دیتی ہے یا سمندر کی تہ میں جو چیزیں ہیں وہ نظر آنے لگتی ہیں۔ قوتِ سامعہ کی امداد کے لیے آلات ایجاد کیے ہیں جن سے سننے میں مدد ملتی ہے۔

۵۹۔ آوازوں کے محفوظ کرنے کے لیے آلات ایجاد ہو گئے ہیں وغیرہ وغیرہ یہ تمام ایجادات مادیات کے متعلق ہیں جو معدودے چند ہیں اور نہ معلوم آئندہ چل کر کس کس قسم کے آلات ایجاد ہوں گے۔

---

(۱) القرآن: ۲۶ (شعراء)، ۱۹۳۔ (۲) القرآن ۶ (انعام)، ۱۲۱۔

۶۰۔ معلوم ہوا کہ ادراک اور علم کے ذرائع اور وسائل محدود اور معدود نہیں ۔ پس جبکہ ادراک حسی کے وسائل محدود نہیں تو ادراک روحانی کے وسائل محدود قرار دینا کیسے صحیح ہو گا ۔ اور اس سے بڑھ کر نادانی یہ ہو گی ۔ کہ ادراک روحانی کے وسائل انہی چیزوں کو قرار دیا جائے کہ جو ادراک حسی کے وسائل ہیں ۔ اے میرے عزیز و جب ایک انسان ایسے آلات ایجاد کر سکتا ہے کہ جو انسان کے حواس ظاہری میں معین اور مددگار ہوں تو کیا خداوند ذوالجلال اپنے کسی برگزیدہ بندہ کو ایسے جسمانی یا روحانی قوائے ادراکیہ عطا نہیں کر سکتا کہ جن کے ذریعہ سے اُس برگزیدہ بندہ کو ایسی جسمانی چیزیں دکھائی دیتی ہوں ۔ کہ جو دوسروں کو نہ دکھائی دیتی ہوں اور اس کو وہ آوازیں سنائی دیتی ہوں جو دوسروں کو نہ سنائی دیتی ہوں ۔

۶۱۔ **ثبوتِ نبوّت** : حق جل شانہٗ نے جس کسی کو اپنی نبوت سے سرفراز فرمایا ابتداءِ خلقت ہی سے اس کے تمام حالات اس کی عقل اور فہم اور اس کے اخلاق اور اطوار فطری طور پر نہایت محمود اور پسندیدہ ہوتے ہیں ۔ جس سے وہ تمام انسانوں میں ممتاز نظر آتے ہیں اور دعوٰے نبوت کے بعد ان حضرات سے ایسے خارق عادت امور کا صدور اور ظہور ہوتا ہے کہ جو قوتِ بشریہ کی حدود سے خارج ہوتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا برداً و سلام ہو جانا اور موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا ۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیرتے سے مُردوں کا زندہ ہو جانا اور نابینا کا بینا ہو جانا اور نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت مبارک کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے افعال (جن کو معجزات کہتے ہیں) حضرات انبیاءؑ کے دعوٰے نبوت کی دلیل اور برہان ہوتے ہیں ۔ اور اُن کی صداقت کے شاہد اور گواہ ہوتے ہیں ۔ ایسے افعال کو دیکھ کر لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ حضرات

خدا کے برگزیدہ اور فرستادہ ہیں جن کی تائید کے لیے من جانب اللہ ایسے قدرت کے کرشمے ظہور میں آرہے ہیں جن سے تمام عالم عاجز اور قاصر ہے چھوٹے اور مکار کے لیے غیب سے اس قسم کے امور کا ظہور ممکن نہیں چونکہ ایک بشر دوسرے بشر کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو معجزات قاہرہ دے کر بھیجا تاکہ اُن کو دیکھ کر لوگوں کی گردنیں خم ہو جائیں اور سمجھ جائیں کہ یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا نمونہ ہیں کسی کی طاقت اور مجال نہیں کہ اُن کا مقابلہ کر سکے۔ اس قسم کے خوارق کو قرآن کریم میں براہین اور آیات بیّنات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور حضرات محدثین ان کو دلائل نبوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور حضرات متکلمین ان کو معجزات سے تعبیر کرتے ہیں۔

۶۲۔ **معجزات کی حقیقت**: اوّل ہم معجزات کی حقیقت بیان کرتے ہیں پھر اس پر جو شبہات کیے گئے ہیں اُن کا جواب دیں گے۔ حق جل شانہ نے اس عالم کو عالمِ اسباب بنا دیا ہے ہر چیز کو کسی سبب کے بعد پیدا فرماتے ہیں۔ مگر گاہ بگاہ اپنے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر کسی چیز کو بلا کسی سبب کے محض اپنی قدرت اور ارادہ سے پیدا فرماتے ہیں تاکہ بندوں کو اوّل خدا کی بے چون وچگون قدرت اور پھر اس پیغمبر کے ساتھ خدا کی خصوصیت معلوم ہو۔ تاکہ خدا کے اس مخصوص بندہ کے ذریعہ سے خدا تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

۶۳۔ لفظ معجزہ اعجاز سے مشتق ہے جس کے معنی عاجز کر دینے کے ہیں یعنی جو فعل نبی کے ہاتھ پر ایسا ظاہر ہو کہ قدرتِ بشری اس کام کے کرنے سے عاجز ہو جس کے دیکھتے ہی لوگ سمجھ جائیں کہ یہ کام قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے۔ بشری اور انسانی قدرت سے کہیں بالا اور برتر ہے کیونکہ جو کام قدرت بشری

سے خارج ہوگا لامحالہ وہ خدا تعالیٰ ہی کا کام ہوگا۔ فعل خداوندی اور فعل انسانی میں امتیاز کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ معلوم ہوا کہ معجزہ کا ظہور اگرچہ نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے مگر وہ نبی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے :۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ اور اسی وجہ سے قرآن کریم نے جا بجا معجزات کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے دریا کو پھاڑا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ برد اور سلام بنی معلوم ہوا کہ معجزہ کسی سبب اور علت کا نتیجہ نہیں بلکہ براہِ راست قدرت خداوندی کا نتیجہ اور قادر مطلق کا فعل ہے کہ بلا کسی سبب کے ظہور پذیر ہوا ہے۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو حضرت عیسیٰ کا ذاتی فعل سمجھا اس لئے اُن کو خدا بنالیا۔

۶۴۔ حضرت مسیح بن مریم کے معجزات اہلِ اسلام کے نزدیک خداوند ذوالجلال کی بے مثال قدرت اور حضرت عیسیٰ کی نبوت و رسالت کے دلائل تھے، نصاریٰ نے معجزات عیسوی کو دلائل الوہیت سمجھا اور غلط سمجھا۔ اگر معجزہ کی صحیح حقیقت سے واقف ہوتے تو اس غلطی میں مبتلا نہ ہوتے۔

۶۵۔ عیسائیت میں صرف کچھ اخلاقی امور کی تعلیم ہے اور وہ بھی ناتمام، اور مذاہب کی جو اصلی روح ہے یعنی حق تعالیٰ کی صحیح معرفت اور اُس کی ذات و صفات کا صحیح علم، وہ بالکل مفقود ہے۔

۶۶۔ **سحر اور معجزہ میں فرق** ؛ سحر، شعبدہ اور مسمریزم ایک فن ہے جو سیکھنے اور سکھانے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ معجزہ کوئی فن نہیں اور نہ اس میں تعلیم و تعلم جاری ہوسکتی ہے حتیٰ کہ معجزہ میں نبی کا اختیار بھی نہیں ہوتا اور بسا اوقات نبی کو پہلے اس کا علم ہی نہیں ہوتا جس طرح قلم بظاہر لکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت لکھنا قلم کا فعل اختیاری نہیں بلکہ کاتب کا فعل ہے۔ اسی طرح معجزہ درحقیقت

فعل ۔ اللہ کا ہے مگر اس کا ظہور نبی کے ہاتھ سے ہوتا ہے ۔

نقش باشد پیش نقاش و قلم ، عاجز و بستہ چو کودک در شکم

۶۷ ۔ نبی کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے اپنی انگلیوں سے چشمے جاری کر لے برخلاف فنون سحریہ وغیرہ کے کہ وہ جس وقت چاہیں قواعد مقررہ اور اعمال مخصوصہ کے ذریعہ سے اُس کے نتائج ظاہر کر سکتے ہیں ۔ مگر آج تک معجزہ کے متعلق نہ کوئی کتاب لکھی گئی اور نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ مقرر ہوا اور نہ معجزہ کی تعلیم کے لیے کوئی درس گاہ کھولی گئی ۔ دیکھو ، موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر آگ لینے کے لیے گئے یکایک پیغمبری ملی اور پھر اس کی تصدیق کے لیے عصاء اور یدِ بیضا کا معجزہ عطا فرمایا ۔ بحکم خداوندی جب عصاء کو زمین پر ڈالا سانپ بن گیا ڈر کر بھاگے اُن کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ مجھ کو نبوت ملے گی اور اس کے ساتھ معجزات عطا ہوں گے ۔ معلوم ہوا کہ عصاء اور یدِ بیضاء موسیٰؑ کا اختیاری فعل نہ تھا ۔ بلکہ فعل خداوندی تھا ۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا جب ساحرین فرعون سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اور وہ چلتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے تو موسیٰ علیہ السلام ڈرے فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ [1] (موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرے) پس اگر موسیٰ علیہ السلام خود ساحر ہوتے تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اس لئے کہ انسان اپنے اختیاری فعل سے نہیں ڈرا کرتا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام پر گھبراہٹ اور خوف کے آثار دیکھے تو سمجھ گئے کہ یہ شخص ہمارا ہم پیشہ نہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے اُن کے سانپوں کو نگل لیا تو سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ خدائی فعل اور کرشمۂ قدرت ہے جس کے سامنے سحر کی کوئی حقیقت نہیں اور بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور چلا اُٹھے کہ ہم بھی ربِ موسیٰ اور ہارون

(۱) القرآن ، ۲۰ (طٰہٰ) ، ۶۷ ۔

پر ایمان لاتے ہیں۔

۶۸۔ **خلاصۂ کلام:** یہ کہ معجزہ اُس خارق عادت امر کو کہتے ہیں کہ جو من جانب اللہ۔ بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا کہ نبی کی نبوت اور اس کی صداقت کی دلیل ہو اور لوگ اس کو دیکھ کر بالبداہت یہ سمجھ جائیں کہ یہ بندہ کا فعل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے دشمنوں کو عاجز اور مغلوب کرنے کیلئے اس خارق عادت امر کو اپنے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا ہے تاکہ اس نبی کا مؤید من اللہ ہونا سب پر واضح ہو جائے (فرق دیگر) نیز ساحر کا سحر جنات اور شیاطین کے تحت القدرت امور سے بالا اور بلند نہیں ہوتا اور انبیاء کرام کے معجزات اور شیاطین کی قدرت سے کہیں بالا اور برتر ہوتے ہیں نیز سحر آخرت میں کوئی نفع نہیں پہنچاتا۔ ولقد علموا لمن اشترٰہ ما لہ فی الاٰخرۃ من خلاق بلکہ دنیا میں بھی فقط ظلم اور فواحش اور میاں بیوی کی تفریق میں کام دیتا ہے ۱۲ کتاب النبوات صت۲۰۔

حکایت: سحر اور معجزہ کے درمیان فرق: فرعون کا جادوگروں کی تلاش کے لئے قاصد کا روانہ کرنا اور اُن میں سے دو جادوگروں کا اپنے باپ کی قبر پہ آنا اور باپ کی روح سے موسیٰ علیہ السلام کی حقیقت دریافت کرنا اور مردہ ساحر کا خواب میں اپنے بیٹوں کو جواب دینا۔ عارف رومی نے مثنوی کے دفتر سوم میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے۔ جس سے سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہوتا ہے۔ ہم اس حکایت کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

۶۹۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیئے تمام جادوگروں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ دو نوجوان جادوگری میں بہت مشہور تھے۔ اُن کے پاس بادشاہ کا قاصد یہ پیغام لے کر پہنچا کہ بادشاہ کی مصیبت دفع کرنے کی کوئی تدبیر کرو۔ اس لیئے دو فقیر (موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام) آئے ہوئے

ہیں اور انہوں نے بادشاہ اور اُس کے قلعہ پر حملہ کیا ہے اور اُن دو فقیروں کے پاس سوائے ایک عصاء (لاٹھی) کے کچھ نہیں اور وہ عصاء نہایت عجیب وغریب ہے جو اُن کے حکم سے اژدہا بن جاتی ہے۔ ان دو شخصوں سے بادشاہ اور اس کا لشکر عاجز آگیا ہے۔ قاصد نے یہ پیغام پہنچایا اور یہ کہا کہ بادشاہ نے یہ کہا ہے کہ اگر تم اس مصیبت کے دفع کرنے کی کوئی تدبیر کرو تو تم کو اس کے صلہ میں بہت انعام ملے گا۔

۷۰۔ یہ دونوں جادوگر اس پیغام کو سُن کر اپنے گھر آئے اور اپنی ماں سے کہا کہ ہمیں ہمارے بابا کی قبر بتا دُ تاکہ ہم اُس کی روح سے کچھ ضروری امور دریافت کریں۔ ماں اُن کو باپ کی قبر پر لے گئی۔ وہاں جاکر دونوں نے فرعون کے نام کے تین روزے رکھے، تین روزے رکھنے کے بعد باپ سے کہا۔ اے بابا۔ بادشاہ نے ہمارے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ ان دو درویشوں نے مجھ کو پریشان کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے مجھ کو بے آبرو کردیا ہے اور عجیب درویش ہیں نہ ان کے پاس کوئی ہتھیار ہے اور نہ فوج۔ بجز عصاء کے اور کچھ نہیں اور سارا شور و شر اُسی لاٹھی میں ہے۔ اے باپ آپ سچوں کے ملک میں گئے ہیں اگرچہ بظاہر مٹی میں سوتے ہیں آپ ہم کو ان درویشوں کی حقیقت سے آگاہ فرمائیں اگر اُن کا یہ عصاء کوئی جادو ہے تو یہ بتلا دیجئے اور کوئی خدائی قوت اور کرشمۂ ایزدی ہے تو وہ بتلائیے تاکہ ہم بھی اُسی خدا کے مطیع ہوجائیں اور کیمیا سے مل کر کیمیا ہو جائیں ہم اس وقت ناامیدی کی حالت میں ہیں شاید کوئی اُمید نظر آجائے اور ضلالت کی شب تاریک میں ہیں شاید کوئی آفتاب ہدایت طلوع کر آئے اور ہم ہدایت پر آجائیں اور اللہ تعالیٰ کا کرم ہم کو اپنی طرف کھینچ لے۔ غرض یہ کہ ہم کو اس حقیقت سے آگاہ فرمایئے۔

۷۱۔ **مُردہ ساحر کا اپنے بیٹوں کو جواب** ؛ اُس مُردہ ساحر نے خواب میں کہا۔

اے میرے بیٹو۔ میں اس کام کی حقیقت سے بخوبی واقف ہوں مگر مجھ کو صاف کہنے کی اجازت نہیں لیکن تم کو ایک علامت بتاتا ہوں جس سے یہ راز تم پر آشکارا ہو جائے وہ یہ کہ تم دونوں جاؤ اور یہ معلوم کرو کہ یہ درویش کہاں سوتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا پاؤ تو اس کی کوشش کرنا کہ کسی طرح اُن کے عصاء (لاٹھی) کو چرا لو اور دیکھو ڈرنا نہیں ورنہ راز منکشف نہ ہوگا پس اگر تم اُس کے عصاء کے چرانے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لینا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی دونوں جادوگر ہیں اور سحر اور جادو کا ردّ اور توڑ تمہارے لئے کوئی مشکل نہیں کیونکہ تم بھی سحر میں کامل اور ماہر ہو۔ اور اگر تم اُس عصاء کو چُرا نہ سکے تو خوب سمجھ لینا کہ وہ کوئی خدائی قوت اور غیبی کرشمہ ہے اور یقین کر لینا کہ وہ دونوں جادوگر نہیں بلکہ خدا کے فرستادہ اور ہدایت یافتہ ہیں کوئی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ فرعون اگر مشرق و مغرب پر بھی قبضہ کرے تب بھی خدا سے نہیں لڑ سکتا۔ اے بیٹو! دیکھو تو سہی جب جادوگر سو جاتا ہے تو اس کے جادو کا کوئی رہبر نہیں رہتا لہذا وہ سحر معطل اور بیکار ہو جاتا ہے جیسا کہ چرواہا، جب سو جاتا ہے تو بھیڑیا نڈر ہو جاتا ہے، اس لئے کہ سونے سے اُس کی تدبیر رُک جاتی ہے۔ بخلاف اُس شئے کے جس کا محافظ اور نگہبان خدا تعالیٰ ہو وہاں بھیڑیئے کی رسائی ممکن نہیں، اس لئے کہ حق تعالیٰ پر غفلت طاری نہیں ہو سکتی، پس اگر تم اُن کے عصا کو نہ چُرا سکے تو سمجھ لینا کہ یہ خدائی طلسم ہے جس کا کوئی توڑ نہیں اور یقین کر لینا کہ وہ سچے نبی ہیں اور یہ اُن کی نبوت کی قطعی نشانی ہے اور ایسی قطعی ہے کہ سونا تو درکنار اگر اُن کی وفات بھی ہو جائے تب بھی اللہ تعالےٰ اُن کو بلند ہی فرمائیں گے۔ اور کبھی بھی مغلوب نہ ہوں گے۔ بیٹا جاؤ یہ سچی نشانی ہے جو میں نے تم کو بتائی ہے تم اسے دل پر نقش کر لو۔

۴۷۔ دونوں بیٹے باپ کا یہ حکم سُن کر موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں گئے، معلوم

ہوا کہ وہ دونوں ایک درخت کے نیچے سو رہے ہیں اور عصاء قریب رکھا ہوا ہے، ان دونوں نے موقعہ غنیمت جانا اور عصاء چرانے کے لیئے آگے بڑھے، یکایک عصاء نے حرکت کی اور اژدہا بن کر ان پر حملہ آور ہوا یہ دیکھ کر دونوں بھاگ گئے۔

۴۳- مولانا بحر العلوم شرح مثنوی میں فرماتے ہیں کہ مولانائے روم نے ان اشعار میں سحر اور معجزہ کے فرق کو واضح فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ سحر- ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا- کیونکہ سحر ساحر کا فعل ہے اور اس کی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے۔ جب ساحر اپنے سحر سے غافل ہوا تو سحر بھی ختم ہوا بخلاف معجزہ کے کہ وہ اللہ کا فعل ہے جس کو اللہ تعالٰی نے محض اپنی قدرت سے بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر پیدا کیا ہے تاکہ اس کی صداقت ظاہر ہو اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیز ختم نہیں ہوتی جب تک کہ ارادۂ الٰہی اس کو باقی رکھنا چاہے وہ باقی رہتی ہے۔ رسول کی غفلت کو معجزہ کے بقاء اور عدم بقاء میں کوئی دخل نہیں۔ اور نہ معجزہ کے ظہور اور صدور میں نبی کی ہمت اور توجہ کو کوئی دخل ہے۔ یعنی یہ بات نہیں کہ جب نبی اور رسول خارقِ عادت امر کے لیے ہمت یا توجہ کو صرف کرے تو معجزہ ظاہر ہو ورنہ نہیں۔ اس لئے کہ معجزہ اس امر خارق للعادت کو کہتے ہیں کہ جس سے طاقت بشریہ عاجز ہو، پس اگر معجزہ کے ظہور اور صدور میں ہمت اور توجہ کو دخل ہوتا تو طاقتِ بشری اس سے عاجز نہ ہوتی۔ معجزہ تو محض اللہ کا فعل ہوتا ہے رسول کو کبھی اس کا علم ہوتا ہے اور کبھی نہیں، اگر عصاء کا سانپ بن جانا موسٰی علیہ السلام کی صرف ہمت اور توجہ سے ہوتا تو موسٰی علیہ السلام اس سے ڈرتے ہی کیوں۔ معجزہ اگرچہ بعض مرتبہ نبی کی دعاء اور اشارہ سے ظاہر ہوتا ہے جیسے شق قمر کا معجزہ کہ حضور کی انگشت مبارک کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ مگر حضورؐ کو چاند کے

دو ٹکڑے کرنے کا کوئی طریقہ معلوم نہ تھا آپ کو یہ قدرت نہ تھی کہ جس وقت چاہیں چاند کے دو ٹکڑے کرلیں۔ قرآن کریم آپ کا معجزہ ہے مگر قرآن کا اعجاز حضورؐ کا فعل اختیاری نہیں کہ آپ کے کسی تصرف اور ہمت کو اس میں دخل ہو۔

۷۴۔ **خلاصۂ کلام**: یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا اس لئے کہ وہ اس کی ہمت اور توجہ پر موقوف ہے۔ اور جو چیز مخلوق کی ہمت اور توجہ سے ظہور میں آئے گی۔ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ صاحبِ ہمت اس چیز سے غافل نہ ہو ورنہ وہ چیز نیست اور معدوم ہو جائے گی اور معجزہ کے باقی رہنے کے لئے صاحب معجزہ کی عدم غفلت شرط نہیں اس لئے کہ معجزہ اللہ کا فعل ہے نبی کی ہمت اور توجہ سے اس کا ظہور نہیں ہوتا۔ پس معجزہ اس امرِ الٰہی کو کہتے ہیں کہ جو اللہ تعالےٰ نبی کے ہاتھ پر بغیر نبی کے کسی تصرف اور توجہ کے پیدا فرمادیں۔ خواہ اس امر کا پیدا ہونا نبی کی دعاء کے بعد ہو یا بلا دعاء کے، بہرحال معجزہ محض اللہ تعالےٰ کا فعل ہوتا ہے نبی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دریائے نیل پر عصاء مارنے سے کس طرح سے اس میں راستے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے عصاء کو دریا پر مارا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت سے دریا میں راستے پیدا کر دیئے اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر گذر گئے مگر اُن کو یہ علم نہیں تھا کہ کس طرح عصاء مارنے سے دریا میں بارہ سڑکیں بن گئیں۔ قرآن کریم کی بے شمار آیات اس امر کی شاہد ہیں کہ معجزات انبیاء کی قدرت سے بالا اور برتر ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ محض اپنی قدرت سے معجزات کو پیدا فرماتا ہے تاکہ اس سے رسول کی رسالت اور صداقت ثابت ہو۔

۷۵۔ **اِرہاص**: اور جو خارق عادت نبی سے قبل نبوت ظاہر ہو اس کو اِرہاص کہتے ہیں۔ ارہاص کے معنی بنیادی پتھر کے ہیں گویا کہ اس قسم کے خوارق آئندہ نبوت

کی تمہید اور دیباچہ ہیں (اور سحر) اُس خارق عادت کو کہتے ہیں کہ جو اسباب خفیہ سے کسی خاص قاعدہ اور ضابطہ کے تحت وقت مقررہ پر ظہور میں آئے۔

کرامت اور استدراج کی تعریف

۷۶۔ کرامت اُس خارق عادت کو کہتے ہیں کہ جو نبی برحق کے متابعت کی برکت سے ظاہر ہو، اور استدراج وہ خارقِ عادت ہے کہ جو اتباع شیطانی اور کفر و شرک اور فسق و فجور اور نفسانی اور شہوانی چیزوں میں انہماک سے ظہور میں آئے جیسے دجال کے خوارق اور کاہنوں کے خوارق۔

کرامت اور استدراج کا فرق

۷۷۔ کرامت اور استدراج کا فرق ایسا ہے جیسا کہ ولدالحلال (نجیب الطرفین) اور ولدالزنا کا فرق ہے۔ صورت میں دونوں بچے مشابہ ہیں مگر ثمرات اور اعمال میں مختلف ہیں۔ صحیح الدماغ پہچان لیتا ہے کہ کونسا آئینہ گلاب سے صاف کیا گیا ہے اور کونسا آئینہ پیشاب سے

مرد حقانی کی پیشانی کا نور ، کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

۷۸۔ **فیض صحبت اور باطنی توجہ** ؛ نفس ناطقہ بدن اور جسم میں منطبع اور مرکوز نہیں بلکہ قائم بالذات اور بدن سے بالکل مباین ہے اور بدن کے ساتھ اُس کا تعلق تدبیر اور تصرف کا ہے پس جس طرح نفس ناطقہ اپنے بدن میں تاثیر کرتا ہے کہ تو کیا عجب ہے کہ لطافت اور نورانیت کے باعث دوسرے اجسام میں بھی تاثیر کر سکے کیونکہ جس بدن میں وہ ہمیشہ تاثیر کرتا ہے بالآخر وہ بھی اس سے مباین ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ یہ معمولی سے نفوس نہ ہوں گے بلکہ خاص

نورانیت اور روحانیت کے حامل ہوں گے۔ جیساکہ ہر لوہا۔ مقناطیس کی طرح جذب اور کشش کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اور کسی کی قدرت میں یہ نہیں کہ مقناطیسی کشش کی کیفیت بتلا سکے اسی طرح ہر نفس دوسرے میں کوئی تاثیر نہیں کر سکتا. بلکہ جو نفس نورانی ہو اور طہارت و نزاہت میں ملائکہ کا ہمرنگ ہو وہ دوسرے میں اثر کر سکتا ہے۔

۷۹ ۔ کرامت اور معجزہ میں فرق: نبی اور ولی کے خوارق میں فرق یہ ہے۔ کہ نبی کے خوارق کماً اور کیفاً اعلیٰ اور برتر ہوتے ہیں جیسے صعود الی السمآء اور احیاء موتیٰ وغیرہ وغیرہ اور ولی کے خوارق نبی کے خوارق سے کم درجہ اور کم رتبہ ہوتے ہیں. مثلاً تھوڑی سی چیز کا بہت ہو جانا اور خواب اور الہام سے کچھ آئندہ حالات کی خبر دے دینا اور علیٰ ہذا ولی کے تصرفات نبی کے تصرفات سے گھٹ کر ہوتے ہیں۔ نبی کو ہر قسم کے خوارق دیئے جاتے ہیں چھوٹے بھی اور بڑے بھی جیساکہ قرآن کریم میں ہے لقد رأی من آیات ربہ الکبریٰ [1] اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو آیات اور نشانات انبیاء کرام کو عطا کیئے جاتے ہیں، وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک آیات کبریٰ یعنی بڑی بڑی نشانیاں اور بڑے بڑے معجزات جیسے شق القمر اور عروج سمٰوات اور سلام شجر اور حجر وغیرہ وغیرہ اور دوسری قسم۔ آیاتِ صغریٰ ہیں یعنی چھوٹے چھوٹے نشانات مثلاً کھانے وغیرہ میں برکت کا ہونا۔

۸۰ ۔ اولیاء اللہ کی کرامتیں، معجزات کی قسم اول سے نہیں ہوتیں بلکہ معجزات کی قسم ثانی کی جنس سے ہوتی ہیں مگر باوجود اس جنس سے ہونے کی آیاتِ صغریٰ سے رتبہ اور درجہ میں گھٹ کر ہوتی ہے۔ نبی کی دعاء سے جو برکت نمودار ہوتی ہے وہ وہم و گمان سے بالا اور برتر ہوتی ہے اور ولی کے ہاتھ سے جو خیر و برکت ہوتی

(۱) القرآن: (نجم) ۵۳ - ۱۸

ہے۔ وہ نبی کی برکت سے کمّاً اور کیفاً بہت کمتر اور فروتر ہوتی ہے۔ مگر عام عادت سے بلند اور برتر ہو جس طرح اولیاء کا درجہ انبیاء کے بعد ہے اسی طرح اولیاء کی کرامتیں۔ انبیاء کرام کے معجزات سے کمتر اور فروتر ہوتی ہیں۔

۸۱ - **نبی اور کاہن میں فرق**: نبی پر اللہ کے فرشتے اُترتے ہیں اور کاہنوں پر شیاطین اور جنات کا نزول ہوتا ہے۔ ھل انبئکم علی من تنزل الشیاطین ط الی آخر الآیات۔ حضرات انبیاء کے علوم میں غلطی نہیں ہوتی اور انبیاء کرام جو غیب کی خبریں دیتے ہیں وہ تمامتر حرف بحرف سچی ہوتی ہیں اور کاہنوں کے علوم بھی گڑبڑ ہوتے ہیں اور اُن کی خبریں جھوٹی بھی ہوتی ہیں اور سچی بھی، حدیث میں ہے کہ حضور پرنور نے ابن صیاد سے (جو ایک کاہن تھا اور مدعی نبوت تھا) دریافت فرمایا کہ کیا تیرے پاس کچھ غیب کی خبریں آتی ہیں؟ اس نے جواب دیا: کہ ہاں میرے پاس سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی خبریں آتی ہیں صادق بھی اور کاذب بھی، آپ نے فرمایا: تجھ پر حقیقت خلط ملط کر دی گئی ہے۔ یعنی نبوت میں خلط ملط نہیں ہوتا، نبوت کا خاصہ صدق ہے۔ اس میں دروغ اور خلافِ واقع امر کا ہونا، ناممکن اور محال ہے، اور ظاہر ہے کہ جہاں صدق اور کذب دونوں خلط ملط ہو وہ شئی کسی طرح قابل وثوق اور قابل اطمینان نہیں ایسی جگہ نہ کسی قول کا اعتبار ہے اور نہ کسی فعل کا بلکہ کاہن کو خود اپنے احکام پر وثوق اور اعتماد نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے کاہن خود اپنے دل میں تذبذب اور متزلزل ہوتا ہے اس لئے صاف اور واضح بات نہیں کہتا اس لئے کہ اگر صاف حکم لگایا اور غلط نکلا تو عوام میں میری وقعت جاتی رہے گی۔ کاہن اکثر و بیشتر محتمل اور مہمل بات کرتا ہے کہ جس میں دونوں پہلو نکلتے رہیں۔ نیز بعض اوقات کاہن لوگ اپنے ظن اور تخمین سے کچھ دریافت کرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے غیب کی باتیں بتانے لگتے ہیں اور لوگوں کو اپنی طرف مائل

کرنے کے لئے مسجع کلام سے مدد لیتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اسی کے بارہ میں ارشاد فرمایا۔ ھٰذا من سجع الکھان ۔ یہ کاہنوں کا سا سجع ہے۔ حضورؐ پرنور کے زمانہ میں جو کاہن حرص وطمع میں گرفتار تھے وہ حضور پر ایمان نہیں لائے۔ جیسے مسیلمہ کذاب اور ابن صیاد بلکہ خود مدعی نبوت بن بیٹھے۔

۸۲۔ اور جن کے دل ہوا و ہوس سے خالی تھے وہ حضور کو دیکھ کر دل وجان سے ایمان لے آئے جیسے طلیحہ اسدی اور سواد بن قارب جن کے واقعات مشہور ہیں۔ اسلام لاتے کے بعد انہوں نے وہ کارہائے نمایاں کیئے جو ان کے حسن سلام کے سچے گواہ ہیں۔

۸۳۔ **نبی اور متنبی میں فرق:** نبی اور متنبی میں فرق یہ ہے کہ متنبی۔ نبی کی ضد ہوتا ہے۔ کیونکہ متنبی دعوٰے نبوت کے ذریعہ دنیاوی لذتیں اور خواہشیں حاصل کرنا چاہتا ہے اور حضرات انبیاء کرام کا مطمح نظر اور مقصود اصلی۔ دنیاوی لذتوں اور خواہشوں کو چھوڑنا اور چھڑانا ہے۔

۸۴۔ متنبی اپنے ظاہری قول اور فعل سے نبی کی نقل اتارتا ہے اہل عقل تو پہلی ہی نظر میں اصل اور نقل کا فرق سمجھ جاتے ہیں اور عوام پر چند روز میں ان کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔

۸۵۔ متنبی لیل ونہار، لذات وشہوات کے ارد گرد چکر لگاتا ہے اور ہر وقت اُن کے حصول کی فکر میں رہتا ہے۔ اور عوام کو دھوکہ دینے کے لئے انبیاء کرام کی وحی کی نقل اتارتا ہے اور انہیں کلمات میں کچھ اپنی طرف سے الفاظ بڑھا کر لوگوں کو سناتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی حالانکہ حضرات انبیاء پر نزول وحی کے وقت جو ایک خاص کیفیت . . . . اور خاص دہشت طاری ہوتی

45062

ہے جس کی وجہ سے ہر دیکھنے والا آسانی سے سمجھ جاتا ہے کہ یہ بے خودی کی کیفیت ہے اس میں نبی کے ارادہ اور اختیار کو دخل نہیں، اور متنبی پر نہ کوئی کیفیت طاری ہوتی ہے اور نہ کوئی دہشت جس کو وہ وحی بتلاتا ہے۔ وہ اس کا خانہ ساز کلام ہوتا ہے جس کا اکثر حصہ انبیاء اور حکماء کے کلام سے مسروق (چرایا ہوا) ہوتا ہے۔ اور متنبی ظاہر میں زاہد بنتا ہے۔ لیکن دل میں دنیادی مال وجاہ کے فکر میں رہتا ہے اور اس کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن باوجود اخفاء کے کسی نہ کسی طرح طلب دنیا کی جھلک اس کی حرکات وسکنات سے مخلوق کو نظر آہی جاتی ہے اور بالآخر اُس کا پردہ فاش ہو جاتا ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں کی نظر میں رسوا اور حقیر ہو جاتا ہے۔ نیز متنبی سے جب مشکل اور پیچیدہ مسائل کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو اس کے جواب میں اُس کو ایک قسم کی جھجک ہوتی ہے اور چونکہ اس کا جواب بغیر القاء ربانی کے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے کلام میں اضطراب ہوتا ہے اور اُس کے جوابات میں اختلاف اور تناقض بھی پایا جاتا ہے۔ اہلِ نظر اسی تناقض اور اختلاف سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ من جانب اللہ نہیں، اور بعض مرتبہ متنبی قصداً مختلف جواب دیتا ہے تاکہ جس وقت جیسی مصلحت ہو اسی جواب کو اختیار کر لیا جائے اور متنبی ابتداء دعوائے نبوت میں چالاکیوں اور ترکیبوں سے کام لیتا ہے تاکہ معمولی عقل ودماغ کے لوگ اُس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس کے فریب میں آجائیں مثلاً ظاہر میں خاموشی اور متانت زہد اور عبادت اختیار کرتا ہے اپنے اوپر کم خرچ کرتا ہے اور دوسروں پر سخاوت کرتا ہے اور قرائن اور احوال کو دیکھ کر گول مول پیشین گوئیاں کرتا ہے کہ اگر پیشین گوئی پوری نہ ہو تو اس میں تاویل کی گنجائش رہے وغیرہ وغیرہ۔

۸۶۔ **ظہورِ خوارق کی حکمت**: خوارق عادات میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عالمِ اسباب بنایا ہے، ہر کام کو ایک خاص سبب کے ساتھ مربوط اور متعلق کیا ہے۔ اس وجہ سے ظاہر بینوں کی نظر اس اسباب ہی میں محدود اور محصور رہتی ہے۔ یہاں تک کہ دھریہ نے تو خدا کے وجود ہی کا انکار کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ وما یھلکنا الا الدھر ۔ کہ یہ سارا کام زمانہ ہی سے چل رہا ہے اور جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب مادہ اور اس کی حرکات کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اس لئے حق تعالیٰ گاہ بگاہ خارق عادت امور ظاہر فرماتا ہے تاکہ ان دھریین اور مادیین کو معلوم ہو جائے کہ کائنات کی باگ کسی اور ذات کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ذات جب چاہے ان سب کو معزول اور معطل کر دیتی ہے۔ اور تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اسباب مستقل حاکم نہیں۔ بلکہ سب خدا کے مقرر کیئے ہوئے ہیں جس کو چاہے موقوف اور معطل کرے۔

دوسری مصلحت یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کی خصوصیت اور خاص عنایت لوگوں کو معلوم ہو جائے تاکہ اُن کی اطاعت کریں اور اُن کے ذریعہ سے خدا تک پہنچیں۔

۸۷۔ جیسے تخت اور تاج اور شاہی تمغوں سے بادشاہت اور بادشاہوں کا تعلق اور اختصاص معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح معجزات سے حضرات انبیاء کا حق تعالیٰ سے قرب خاص معلوم ہوتا ہے۔ شیخ بوعلی سینا نے اشارات کے نمط تاسع میں لکھا ہے:

والنبی متمیز باستحقاق الطاعۃ لاختصاصہ بالآیات تدل علی انھا من عند ربہ

نبی تمام عالم میں مستحق اطاعت ہونے کے لحاظ سے اس لئے ممتاز ہوتا ہے کہ اس کو جو نشانات اور معجزات دیئے جاتے ہیں وہ بالبداہت اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ نشانات اللہ کی طرف سے ہیں۔

۸۸۔ **منکرین معجزات کے شکوک اور شبہات:** جن لوگوں کی نظر فقط طبیعات

اور تجربیات اور مشاہدات تک محدود ہے۔ وہ معجزات اور خوارق عادات کے منکرین

(۱) یہ کہتے ہیں کہ معجزات خلاف عقل اور محال ہیں اس لئے کہ کسی شئ کا بلاسبب کے پایہ جانا ناممکن اور محال ہے۔ یہ عالم عالمِ اسباب ہے کوئی شئ بلا سبب کے موجود نہیں ہو سکتی۔

(۲) اور کبھی یہ کہتے ہیں:

کہ معجزات اور کرامات، قوانین فطرت اور آئینِ قدرت کے خلاف ہیں۔

(۳) اور کبھی یہ کہتے ہیں:

کہ خوارق کو ماننا وہم پرستی ہے اور خوارق اور معجزات کے ماننے والے سادہ لوح اور وہم پرست ہیں۔

(۴) اور کبھی یہ کہتے ہیں:

کہ خوارق کے ماننے سے نظام عالم کا مختل ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ خوارق کے ماننے سے اسباب و وسائل سے وثوق اور اطمینان اٹھ جاتا ہے۔

(۵) اور کبھی یہ کہتے ہیں:

کہ خوارق کا اعتقاد ترقی کی راہ میں مزاحم ہے۔

جوابات

۸۹۔ **پہلی بات کا جواب:** منکرین معجزات کا سب سے بڑا شبہ یہ ہے کہ کسی شئ کا بلاسبب کے پایا جانا محال ہے، یہ محض ایک دعوٰے ہے۔ جس پر کوئی دلیل نہیں۔ محال وہ ہے کہ جس کے نہ ہو سکنے پر کوئی قطعی اور عقلی دلیل موجود ہو۔ اور کسی شئ کے بلاسبب کے پیدا نہ ہو سکنے پر آج تک کوئی دلیل عقلی قائم نہیں کر سکا جو لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ کسی شئ کا بلاسبب کے پیدا ہونا محال ہے ہم ان

سے سوال کرتے ہیں کہ اگرچہ میات ۔ اسباب کے واسطہ سے پیدا ہوئے ۔لیکن یہ بتلائیں کہ خود اسباب بذاتِ خود اسباب کے واسطہ سے پیدا ہوتے ہیں یا بلا واسطہ اسباب کے پیدا ہوتے ہیں اگر اسباب کے لئے اسباب درکار ہوں تو تسلسل لازم آئے ۔یعنی ایک غیر متناہی سلسلہ کا ماننا لازم آئے جو تمام عقلا کے نزدیک محال ہے ۔ لامحالہ سلسلۂ اسباب ضرور کسی ایسے سبب پر ختم ہوگا جو بلا کسی سبب کے موجود ہوا ہوگا اور اس پہلے سبب کو جس پر تمام اسباب کا سلسلہ ختم ہوتا ہے ۔ سبب اولی کہا جاتا ہے جو سلسلۂ اسباب کا سرا ہے اور بلا کسی سبب کے وجود پذیر ہوا ہے ۔

۹۰۔ پس جو قادر مطلق پہلی چیز کو بلا سبب کے بنانے پر قادر ہے ۔ وہ دوسری اور تیسری چیز کے بھی بلا سبب بنانے پر بھی قادر ہے اُس کی قدرت اوّل و آخر کے اعتبار سے یکساں ہے ۔

۹۱۔ مثال کے طور پر سمجھئے کہ روٹی آٹے سے بنی اور آٹا گیہوں سے اور گیہوں کھیت سے یہ سلسلۂ اسباب کھیت پر جا کر ختم ہوگیا اب اگر سوال کیا جائے کہ کھیت کہاں سے بنا ۔ تو سوائے اس کے کوئی جواب نہیں کہ کھیت گیہوں سے پیدا ہوا لیکن جب گیہوں کھیت سے پیدا ہوا اور کھیت گیہوں سے پیدا ہوا تو دور لازم آیا جو تمام عقلا کے نزدیک محال ہے ۔ لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ پہلی مرتبہ جو گیہوں کا کھیت پیدا ہوا وہ بلا واسطہ سبب کے پیدا ہوا یعنی پہلا گیہوں بلا کھیت کے پیدا ہوا یا پہلا کھیت بلا گیہوں پیدا ہوا ، پس جبکہ سلسلۂ اسباب میں سے ایک فرد میں بلا سبب پیدا ہونے کا امکان ثابت ہو جائے گا اس لئے کہ قدرت خداوندی کے اعتبار سے تمام افراد برابر ہیں قادر مطلق نے ایک فرد کو بلا سبب کے بنا کر دکھلا دیا تاکہ تم یہ سمجھ جاؤ کہ وہ قادر مطلق جس فرد کو بھی چاہے اسی طرح بلا سبب کے بنا سکتا ہے ۔

۹۲۔ **دوسری مثال :** انسان ۔ نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور نطفہ انسان سے معلوم

ہوا کہ پہلا انسان یا پہلا نطفہ بلا کسی سبب کے پیدا ہوا ہے اسی وجہ سے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وبدا خلق الانسان من طین [1] حق تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع فرمایا۔

یعنی سب سے پہلا انسان نطفہ سے نہیں بنا بلکہ مٹی سے، محض اُس کی قدرت سے بنا ہے۔ اس کے بعد سلسلۂ نسل نطفہ سے قائم کر دیا اور سلسلۂ اسباب جاری فرما دیا۔ پھر اپنی قدرت کاملہ کی یاد دہانی کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما دیا۔ جب لوگوں نے اس پر شبہ کیا کہ بغیر کے کیسے پیدا ہوئے تو اس پر اپنی قدیم صنعت اور پہلی کاریگری یاد دلائی۔

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب [2] عیسیٰ علیہ السلام کی حالت آدم علیہ السلام جیسی ہے ان کو محض مٹی سے پیدا کیا گیا۔

۹۳ - یعنی تم کو حضرت عیسیٰ کے بلا باپ کے پیدا ہونے پر تعجب کیوں ہے۔ ہماری قدرت اور صنعت پہلے سے تم کو معلوم ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو بلا باپ اور بلا ماں کے پیدا کیا تھا، کیا ہماری اس صنعت کو بھول گئے اس لئے ہم نے اپنی گذشتہ صنعت کی یاد دہانی کیلئے حضرت عیسیٰ کو فقط بلا باپ کے صرف ماں سے پیدا کیا۔ یعنی آدھی صنعت دکھلائی۔ پوری صنعت کے اقرار کے بعد آدھی صنعت کا کیوں انکار کرتے ہو۔ اور اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع نزول کا مسئلہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا جسم خاکی کے ساتھ آسمان سے ہبوط (اترنا) ممکن ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور اس کا عکس رفع الی السماء بھی ممکن ہے اس لئے کہ عروج و نزول کا راستہ اور مسافت سب

(۱) القرآن ۳۲:۷ (السجدہ) ، (۲) القرآن ۳:۵۹ (آل عمران) ۵۹ -

JAMIA HAMDARD LIBRARY New Delhi

ایک ہی ہے ۔

اسباب و علل کی تاثیر کی حقیقت

۹۴ ۔ فلاسفہ نے اپنے محدود اور ناقص اور ناتمام تجربہ کی بناء پر یہ دعویٰ کر دیا کہ کسی شئے کا بلا اسباب طبعیہ کے پایا جانا محال ہے ۔

فلاسفہ کو اگر اسباب و علل کے تاثیر کی حقیقت اور اس کی کیفیت اور کمیت کی صحیح معرفت ہوتی ، تو کبھی یہ دعویٰ نہ کرتے ۔ اسباب مسببات کے لئے موجد نہیں ۔ ایجاد اور اختراع اللہ تعالےٰ کی صفت ہے ۔ ایجاد اور اختراع جماد محض کا کام نہیں یہ کام تو صرف فعال لما یرید کا ہے ۔

۹۵ ۔ جس طرح اسباب و علل کا نفس وجود ۔ عطیۂ خداوندی ہے ۔ اسی طرح اسباب و علل کی صفت تاثیر اور اُن کی تمام صفات اور کیفیات بھی اُسی کا عطیہ ہیں ۔ اسی کے ارادہ اور مشیت کے مطابق اثر کرتی ہیں ۔ جس طرح وہ اسباب کے وجود کے سبب پر قادر ہے اسی طرح وہ اسباب کی صفت تاثیر کے سلب پر بھی قادر ہے ۔ جس طرح ضرب اور قتل میں بجائے ضارب اور قاتل کے تیر اور تلوار کو مؤثر حقیقی سمجھنا بے عقلی ہے ۔ اسی طرح اسباب و علل کو مؤثر حقیقی سمجھ لینا بھی غلطی ہے ۔ فاعل حقیقی دستِ قدرت ہے ۔ اور یہ اسباب و وسائل اس کی قدرت ازلیہ کے روپوش ہیں ۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اسباب کی تاثیر اور ربیت محض دعاوی ہے حقیقی نہیں اس کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے ۔

۹۶ ۔ آنکھ اور کان دیکھنے اور سننے کا سبب ہیں مگر اسی کے بنائے ہوئے ہیں جتنا چاہتا ہے اتنا ہی دیکھتے اور سنتے ہیں ۔

نیز کسی شئے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ شئ فلاں شئے کے لئے سبب یا علت

ہے اور وہ شئے معلول اور مسبب ہے ۔ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کسی دلیل عقلی اور برہان قطعی سے ثابت نہیں ہوتا۔

مثلاً یہ کہنا کہ فلاں دوا سے فلاں بیماری دور ہو جاتی ہے ۔ اور آگ جلاتی ہے اور پانی غرق کرتا ہے یہ سب گذشتہ زمانے کے محدود تجربات کی بناء پر کہا جاتا ہے یہ امور کسی عقلی دلیل سے ثابت نہیں اور ظاہر ہے کہ تجربہ سے جو علم حاصل ہوگا وہ ظنی ہوگا ۔ قطعی اور یقینی نہ ہوگا اس لئے کہ اوّل تو تجربہ محدود ہے اور پھر یہ کہ تجربے بدلتے رہتے ہیں اور پھر یہ کہ تجربہ میں غلطی کا بھی امکان ہے پس ایک محدود اور ناقص تجربہ کی بناء پر یہ حکم لگا دینا کہ ہمارے اس تجربہ کے خلاف کسی چیز کا ظہور میں آنا محال ہے ۔ سراسر خلاف عقل ہے ۔ کیا ایک جزئی تجربہ کے بعد ۔ کلی اور عمومی طور پر یہ حکم لگا دینا کہ اس کے خلاف ناممکن اور محال ہے ۔ کیا یہ کھلی ہوئی نادانی نہیں اور ماضی کے چند تجربات کی بناء پر مستقبل کے متعلق یہ حکم لگا دینا کہ آئندہ میں گذشتہ کے خلاف کسی چیز کا ظہور پذیر ہونا ناممکن اور محال ہے کیا یہ سراسر جہالت نہیں ۔

۹۔ **سبب اور علّت کے درمیان فرق** : سبب اور علت میں فرق یہ ہے کہ سبب ۔ وجود مسبب ۔ میں مؤثر اور دخیل ہوتا ہے ۔ مگر لازم نہیں ہوتا ۔ کہ سبب کے پائے جانے کے بعد مسبب ضرور ہی پایا جائے ۔ برخلاف علت کے کہ اس کے پائے جانے کے بعد معلول کا وجود ضروری ہو جاتا ہے ۔ مثلاً آگ جلانے کا سبب ہے مگر علت نہیں اسی وجہ سے کبھی آگ سے جلانے کا اثر ظاہر نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے کوئی صدمہ نہیں پہنچا ۔ پس معلوم ہوا کہ ہر فعل کی اصلی علّت اور مؤثر حقیقی باری تعالیٰ کا ارادہ ہے لیکن حق تعالیٰ نے اس دار دنیا کو دار الاسباب بنایا ہے اس لئے ہر فعل کا صدور کسی خاص سبب سے متعلق کر دیا ہے ۔

فلسفیوں اور دھریوں نے مسبب اور علت میں فرق نہ سمجھا اس لئے حضرت ابراہیم کے حق میں آگ کا بردوسلام ہونا سمجھ میں نہ آیا۔

۹۸ - اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ اصل جلانے والا حق تعالیٰ ہے اگر وہ چاہے تو بلا آگ کے بھی جلا سکتا ہے۔ اُس نے اپنی قدرت سے آگ کو جلانے کا ایک سبب بنا دیا ہے وہ اگر چاہے تو آگ کو بھی جلانے سے روک سکتا ہے جس طرح آگ کا وجود خود بخود نہیں اسی طرح اُس کی تاثیر بھی خود بخود نہیں سبب کچھ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے۔

۹۹ - کسی شئے کے تمام اسباب وشرائط اور موانع کا علم ممکن نہیں ؛ عقل کتنی ہی دوربین اور دوررس کیوں نہ ہو مگر بہرحال اس کا ادراک نہایت محدود ہے اور پھر یہ کہ وہ ادراک معصوم عن الخطا (خطا سے پاک) بھی نہیں۔ کوئی عقل ایک شئے کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس شئے کے تمام اسباب اور تمام شرائط اور موانع اُس کو معلوم ہو چکے ہیں اور تمہارے علم اور ادراک نے ان سب کا احاطہ کر لیا ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ ایک شئے کے اسباب متعدد ہوں اور اس کے وجود کے لیئے کچھ شرائط اور موانع ہوں اور تم کو اُن میں سے بعض کا علم ہوا ہو اور بعض بلکہ اکثر سے تم بے خبر اور ناواقف ہو۔ دنیا میں مشاہدہ ہے کہ ایک شئے کے اسباب فراہم ہوتے ہیں مگر نامعلوم موانع کی وجہ سے یا کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے وہ چیز ظہور پذیر نہیں ہو سکتی۔ پس جو لوگ معجزات اور خوارق عادات کا انکار کرتے ہیں وہ درپردہ اپنے علم اور ادراک کے محیط اور غیر محدود ہونے کے مدعی ہیں اور گویا کہ بزبان حال یہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری اس ناقص عقل نے عالم اسباب کے تمام اسباب وعلل کا پورا پورا ادراک اور احاطہ کر لیا ہے اس لئے ہم حکم لگاتے ہیں کہ ایسے خارق عادت واقعہ کا پیش آنا ناممکن اور محال ہے۔

۱۰۰- اہل عقل انصاف فرمائیں کہ کیا ایسا دعویٰ. مغرورانہ اور غیر دانشمندانہ دعویٰ نہیں. سائنس کے بڑے بڑے اساتذہ اور ماہرین کو اس کا اعتراف ہے اور بیانگِ دھل وہ اس کا اعلان کرتے ہیں کہ ہم کو کل قوانین قدرت پر توکہاں اس کے کسی معمولی حصہ پر بھی احاطہ حاصل نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود جب کوئی چیز اُن کے محدود اور معدود مدرکات سے باہر ہوتی ہے تو نہایت بے باکی اور ڈھٹائی سے اس کو جھٹلانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ کوئی عقل یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس نے تمام قوانین قدرت کا احاطہ کر لیا ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ سب غلط ہے۔

۱۰۱- اسباب وعلل سے بحث کرنا مذہب کی غرض وغایت کے خلاف ہے

مذہب کی غرض وغایت یہ ہے کہ مظاہر قدرت کو بیان کرے تاکہ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور پھر اس کی صحیح معرفت سے اس کی عظمت اور محبت کا داعیہ دل میں پیدا ہو اور پھر یہ داعیہ اس کو خدا تعالیٰ کی اطاعت پر آمادہ کرے۔

پس اگر طلوع وغروب اور کسوف کے اسباب وعلل سے بحث کی جائے تو مذہب کا مقصد فوت ہوتا ہے نیز اس قسم کی بحثیں عام لوگوں کے لئے مفید ہی نہیں بلکہ محض بے سود ہیں۔

۱۰۲- دوسری بات کا جواب : منکرین خوارق کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ معجزات اور کرامات قانون قدرت کے خلاف ہیں۔

۱۰۳- جواب یہ ہے : کہ آپ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ بات قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ آپ یہ بتلائیں کہ آپ کے پاس وہ کونسا مکمل اور مرتب قانون ہے جس کی بناء پر آپ یہ حکم لگاتے ہیں کہ یہ امر قانونِ قدرت کے خلاف ہے؟ آپ ہمیں یہ بتلائیں کہ قوانین قدرت کیا ہیں اور ہم کو کوئی آسمانی اور زمینی کتاب دکھلائیں جس میں قوانین قدرت کی تشریح اور تفصیل کی گئی ہو۔ ایسی کتاب نہ تو آسمان سے اتری اور نہ اس

موضوع پر آج تک زمین پہ کوئی کتاب لکھی گئی اور نہ کوئی لکھ سکتا ہے ۔ ایک انسان سراپا سہو و نسیان کا محدود اور تنگ دماغ خداوند ذوالجلال کی غیر محدود قدرت کے قوانین کس طرح بیان کر سکتا ہے اور کس کو قدرت ہے کہ اُس کی غیر محدود قدرت کو کسی قانون اور ضابطہ میں منحصر کر دیئے ۔

۴ ۱۰ ۔ قانون قدرت ان محسوسات کا نام نہیں کہ جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں انسان کا دائرہ معلومات چند محسوسات سے باہر نہیں اپنی عمر میں ہم جو کچھ دیکھتے آئے وہ صرف محسوسات ہی کو دیکھتے آئے ان محسوسات کے دیکھنے سے ہم کو بے شمار غیر محسوس اشیاء میں اس کی قدرت کا قانون کیسے معلوم ہو گیا ایک انسان کی عمر تو چند روزہ ہے اگر سارے عالم کی عمریں اور ان کے تجربے بھی ملا لئے جائیں تو اس محدود تجربہ سے خدا تعالیٰ کی قدرت پر احاطہ نہیں ہو سکتا ۔ کاش کوئی ہمیں بتلائے کہ وہ کونسی کتاب ہے ۔ جس میں قدرتِ خداوندی کے قوانین لکھے ہوئے ہیں اور وہ کتاب تحریف و ترمیم سے پاک ہے اور قائل نے اُس کتاب کو حفظ کر رکھا ہے ۔ اور اگر بالفرض اس کی قدرت کا کوئی قانون ہے بھی تو وہ اسی کا نو بنایا ہوا ہو گا ۔ بندوں کا بنایا ہوا تو نہ ہو گا ۔ تو جو قانون خود اس نے بندوں کو بنا کر دیا ہے کیا وہ اس میں تغیر اور تبدل نہیں کر سکتا ۔

اصل پیچیدگی یہ ہے کہ یہ ملحدین اور منکرین خوارق ، معاذاللہ ، حق تعالیٰ کو صدر جمہوریہ کی طرح سمجھتے ہیں کہ اُس کو کسی قانون میں تغیر اور تبدل کا اختیار نہیں ۔ اسلام ایسے مجبور خدا کا قائل نہیں ۔

کوئی معجزہ قانونِ قدرت کے خلاف نہیں بلکہ معجزہ ایک ایسا دریچہ ، روشن دان اور آئینہ ہے کہ جس سے قدرت کا چہرہ زیادہ صفائی سے اور زیادہ قریب سے نظر آ جاتا ہے ۔ اسباب بھی اُسی کی قدرت کے آئینے اور مظاہر ہیں ۔ مگر معجزات اور کرامات اُس سے بڑھ کر اس کی قدرت کا آئینہ ہیں کہ جن کو دیکھتے ہی خدا کی قدرت اور

اس کی ہستی اور اپنی عاجزی اور نیستی کا اضطراری طور پر یقین بلکہ مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

۱۰۵۔ روزانہ عجائب وغرائب کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ کیا یہ تمام عجیب وغریب واقعات جو روزانہ پیش آتے رہتے ہیں یہ سب قوانین قدرت کے خلاف ہیں! عالم عناصر اور عالم بسائط کے عجائبات پر نظر ڈالے اور پھر عالم نباتات اور پھر عالم حیوانات اور پھر عالمِ انسان کے عجائب پر نظر ڈالے۔ ہر اعلیٰ طبقہ اپنے ادنیٰ کے لحاظ سے فوق العادت امور کا ایک عجیب وغریب مجموعہ بنا ہوا ہے اگر فرض کرو کہ حیوانات اپنے قصور ادراک کی وجہ سے انسانی عجائبات کا انکار کرنے لگیں اور انسانی کرشموں کا مذاق اڑانے لگیں اور یہ کہنے لگیں کہ انسان کی یہ باتیں قانون فطرت اور آئینِ قدرت کے خلاف ہیں۔ کیا عقلاء کے نزدیک حیوانات کا یہ انکار اور تمسخر کوئی قدر وقیمت رکھتا ہے! پس جو نسبت عالم حیوان اور عالم انسان میں ہے، وہی نسبت، عالم جسمانی اور عالمِ روحانی اور فلاسفہ اور انبیاء کرام میں ہے اور جس طرح عالمِ انسانی کے کرشمے عالمِ حیوانی سے بڑھ کر ہیں۔ اسی طرح عالمِ روحانی کے کرشمے عالمِ انسان کے کرشموں سے بڑھ کر ہیں۔

۱۰۶۔ **قدرت اور عادت میں فرق**: یہ دو لفظ ہیں جن میں عام طور پر لوگ فرق نہیں کرتے حالانکہ ان دونوں کا فرق خود ان کے مدلول اور مفہوم ہی سے ظاہر ہے قدرت کے معنی کر سکنے کے ہیں۔ اور عادت کے معنی کرتے رہنے کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔

۱۰۷۔ جس طرح انسان میں دو چیزیں الگ الگ ہیں ایک قدرت اور ایک عادت۔ عادت ایک خاص معمول کو کہتے ہیں اور قدرت اس کے خلاف کر سکنے کو کہتے ہیں۔

۱۰۸۔ اسی طرح سمجھ کہ حق تعالیٰ کی ایک عادت ہے اور ایک قدرت اکثر وبیشتر امور کا ظہور عادت مستمرہ کے مطابق ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی کسی حکمت اور مصلحت سے خلاف عادت بھی فرماتے ہیں اور کوئی کام خلاف عادت کرنا۔ خارج از قدرت

نہیں ہوتا۔ اسباب سے مسببات کا پیدا کرنا حق تعالیٰ کی عادت ہے اور گاہ بگاہ بلا سبب مسبب پیدا کر دینا یہ اس کی قدرت کا کام ہے۔ پس معجزات اور خوارق عادات قانون عادت کے خلاف تو ہیں۔ لیکن قانون قدرت کے خلاف نہیں۔ لہذا معجزات کو قانونِ قدرت کے خلاف بتانا کسی طرح صحیح نہیں اور خلافِ عادت ہونے سے کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ان منکرین معجزات نے قدرت اور عادت کے فرق کو بھی نہ سمجھا اس لئے خلاف عادت کو خلاف قدرت سمجھ بیٹھے۔

۱۰۹۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کی عام عادت یہ ہے کہ ولادت ایک خاص طریقہ پر ہوتی ہے کہ اوّل نطفہ ہو پھر علقہ اور پھر مضغہ وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس عادت سے یہ لازم نہیں آتا کہ بغیر نطفہ کے پیدا کرنا اس کی قدرت سے خارج ہو۔ قدرت۔ عادت سے بالا اور بلند ہے۔ اور قدرت ہی تمام اسباب پر حاکم اور فرمانروا ہے۔ معاذ اللہ کیا اسباب قدرت ازلیہ کے پیروں میں کوئی زنجیر ڈال کر اس کو پابند اور مقید کر سکتے ہیں۔

۱۱۰۔ **عادتِ عامہ اور خاصہ:** پھر عادتِ عامہ کی بھی دو قسمیں ہیں ایک عادتِ عامہ اور ایک عادتِ خاصہ۔ بادشاہوں کا وزراء کے ساتھ اور معاملہ ہوتا ہے اور عام وفاداروں کے ساتھ اور معاملہ ہوتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کا معاملہ حضرات انبیاء کے ساتھ عام لوگوں کے معاملہ سے جدا اور ممتاز ہوتا ہے پس جو خوارق اور معجزات حضرات انبیاء کی تصدیق کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ وہ صرف عادتِ عامہ کے خلاف ہوتے ہیں۔ مگر عادتِ خاصہ کے خلاف نہیں ہوتے اس لئے کہ خواص اور مقربین کے لئے یہی عادت اور سنت ہے کہ اُن کو اس قسم کے خوارق اور معجزات سے سرفراز کیا جائے بلکہ اگر معجزات اور خوارق عادات ظاہر نہ کئے جائیں تو یہ خلافِ حکمت ہوگا۔ اس لئے کہ فرق مراتب کو ملحوظ رکھنا اور استاد اور شاگرد کے ساتھ علیٰحدہ علیحدہ معاملہ کرنا عین عقل اور عین فطرت ہے اور سراسر دانائی اور حکمت ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی

زندیقی جیسا تعلق ہوتا ہے ویسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ بادشاہ کا اپنے وزراء کے ساتھ برتاؤ اور معاملہ اور ہوتا ہے اور چپراسیوں اور عام رعایا کے ساتھ برتاؤ اور معاملہ اور ہوتا ہے۔

۱۱۱۔ فلسفہ اور سائنس میں فلتات طبعیہ کا ایک مستقل باب ہے۔ جس میں اُن امور کا ذکر کیا جاتا کہ جو مقرر قوانین فطرت سے علیحدہ ہوتے ہیں اور علت اور معلول کے سلسلہ سے باہر ہوتے ہیں۔ فلاسفہ ان تمام واقعات کو اگر صحیح سند سے ثابت ہو جائیں تو بلا تامل قبول کرتے ہیں اور ان کی توجیہ اور تاویل کرتے ہیں۔ مگر معجزات اور خوارق عادت کا گروہ بطریق تواتر ثابت ہوں۔ اُن کی تکذیب کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں۔

۱۱۲۔ فرانس کے ایک فیلسوف نے اپنی کتاب المسائل الروحیہ میں ایک عورت کا ذکر کیا ہے۔ جس کا ایک پستان بائیں ران میں تھا اور وہ بچہ کو اسی پستان سے دودھ پلاتی تھی یہ عورت ۱۸۲۶ء میں پیرس کی جمعیتہ الفضلاء کے سامنے پیش ہوئی۔

۱۱۳۔ اس قسم کے خوارق کے سب قائل ہیں لیکن جب کبھی کسی خارق عادت امر کا نبی کے معجزہ اور کرامت کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے تو یہی لوگ فوراً اس کو جھٹلانے پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔

نیز خوارق عادات اگر محال بھی ہوں تو عام لوگوں کی جسمانی قوت کے لحاظ سے محال ہوں گے لیکن روحانی قوت کے لحاظ سے اُن کو محال کہنا نادانی ہے۔ اور خداوند ذوالجلال کی قوت اور قدرت کے لحاظ سے محال کہنا تو کمال نادانی ہے۔

۱۱۴۔ جس درجہ کا فاعل ہوگا۔ اس کی تاثیر بھی اسی درجہ کی ہوگی، ایک انسان بیک وقت دس من وزن نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن ریل کا انجن ہزاروں ٹن وزن گھنٹوں میں صدہا میل گھسیٹ کر لے جاتا ہے۔

معمولی قوت برقیہ سے وہ کام ہو جاتا ہے جو ہزاروں انسان کر بھی نہیں کر سکتے۔

۱۱۵۔ **تیسری بات کا جواب**: خوارق کو ماننا وہم پرستی نہیں اور نہ خوارق کے ماننے والے سادہ لوح اور وہم پرست ہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے حکیم اور دانا ہیں اور دانا ایسے ہیں کہ جن کے سامنے بڑے بڑے فیلسوف گرد ہیں۔

صد ہزاراں طب جالینوس بود　　پیش عیسیٰ و دمش افسوس بود

حضرات انبیاء سے جن حقائق اور معارف کا ظہور ہوا وہ، وہ حقائق تھے جنہوں نے نوع انسانی کی کایا پلٹ کر دی اور جاہلوں اور وہم پرستوں کو اوہام اور تخیلات کے وادی تیتہ سے نکال کر علم و حکمت کے قصر میں لا کر بٹھلا دیا۔

۱۱۶۔ **چوتھی بات کا جواب**: چوتھی بات یہ تھی کہ خوارق کے ماننے سے نظام عالم کا مختل ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ خوارق کے بننے سے اسباب و وسائل سے وثوق اٹھ جاتا ہے۔

۱۱۷۔ **جواب یہ ہے**: کہ جس طرح ناگہانی طور پر ریل کے پٹڑی سے اُتر جانے یا پُل کے ٹوٹ جانے اور یا دفعتہً کونین کے استعمال سے بخار کے بڑھ جانے سے ریل اور علم طب سے اطمینان اور وثوق زائل نہیں ہو جاتا کہ لوگ سفر کرنا اور علاج کرنا ہی چھوڑ دیں۔

۱۱۸۔ اسی خوارق عادات کے ظہور سے نظام عالم مختل نہیں ہوتا۔ بلکہ خوارق کا ظہور ہماری ابتری کا علاج ہیں کہ خدا سے غافل نہ رہیں۔ نیز اختلال کے معنی یہ ہیں کہ اختیار کو بے موقعہ اور غلط استعمال کیا جائے۔ اور یہ بات بندہ میں تو ممکن بلکہ واقع ہے اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ اس سے پاک اور منزہ ہے۔

۱۱۹۔ نیز یہ کہ منکرین معجزات، علتات طبیعیہ پہ تو ایمان رکھتے ہیں۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا ان علتات طبیعیہ سے انتظام عالم کو صدمہ نہیں پہنچتا اور کیا ایسے عجیب و

غریب امور کے ظہور سے یکسانیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

۱۲۰۔ **پانچویں بات کا جواب:** خوارق کا وجود ترقی کی راہ میں مزاحم نہیں۔ ترقی انسان کے دائرہ اختیار میں ہوتی ہے اور خوارق کا نہ تو وجود انسان کے اختیار میں ہے اور اُن کا ہٹا دینا اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

بلکہ خوارق کا ظہور عبرت اور بصیرت کا سبب ہے۔ جس سے حق تعالیٰ کی معرفت میں اور ترقی ہوتی ہے لہذا خوارق کا ظہور علم و معرفت کی ترقی کا ذریعہ ہے۔

معجزات دلائلِ نبوت اور براہین رسالت ہیں

۱۲۱۔ عقلاً ہر دعوے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جو نبوت و رسالت کا دعوٰی کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم خداوند ذوالجلال کے سفیر ہیں اور خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ اس عظیم الشان دعوے کے لئے بھی دلیل چاہیئے۔

۱۲۲۔ اس دعوے کے دلائل اور براہین۔ معجزات اور خوارق عادات ہیں۔ معجزہ اس خارق عادت امر کو کہتے ہیں کہ جو بلا کسی سبب ظاہری کے نبی کے ہاتھ پہ ظاہر ہو اور سارا عالم اس کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہو۔

۱۲۳۔ حکیم مطلق نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے۔ اس کی سنت اور عادت یہ ہے کہ کوئی کام بغیر سبب کے پیدا نہیں فرماتے۔ اسی کو عادت کہتے ہیں۔ لیکن کبھی اپنی قدرت سے عادت کو توڑ کر بلا سبب کوئی کام نبی کے ہاتھ پہ پیدا فرماتے ہیں تاکہ اس خارق عادت امر کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھ جائیں کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہے .... نبی اور رسول کا ذاتی فعل نہیں۔ اس لئے کہ اسباب کا توڑنا بندہ کی قدرت سے خارج ہے بندہ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ بغیر سبب کے کوئی کام کر سکے معجزہ کو دیکھتے ہی بدیہی طور

پر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مؤید من اللہ ہے اسی کی تصدیق کے لئے من جانب اللہ اس قسم کے خوارق ظاہر ہو رہے ہیں کہ جو بلا شبہ قدرت بشری سے خارج ہیں ۔ معلوم ہوا کہ اس شخص کے ہاتھ کے پیچھے دستِ قدرت پوشیدہ طور پر کارفرما ہے اور اس نبی کے ہاتھ سے جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ حقیقت میں اللہ کا فعل ہے نبی کا فعل نہیں اسلئے کہ اس کے صدور میں نبی کے ارادہ اور اختیار کو دخل نہیں ۔ نبی کو یہ قدرت نہیں کہ جب چاہے وہ معجزہ دکھلا سکے ۔

ما رمیت اذ رمیت گفت حق   کار حق بر کارہا دارد سبق
گر بپرانیم تیر آن نے زماست   ما کمان تیر اندازش خداست

۱۲۴ ۔ پس جس طرح نبی کے ہاتھ پر ایسے فعل کا ظاہر ہونا جس سے مطلقاً قدرتِ بشری عاجز و درماندہ ہو یہ نبی کا عملی معجزہ ہے اسی طرح نبی کی زبان سے ایسی خبروں اور پیش گوئیوں کا صدور اور ظہور جس سے علم بشری اور ادراک انسانی قاصر اور عاجز ہو یہ نبی کا علمی معجزہ ہے ، بلا کسی قرینہ اور بلا کسی سبب ظاہری کے غیب کی باتوں کی خبر دینا یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کا علام الغیوب اور عالم غیب سے کوئی خاص تعلق ہے ، بدون خداوند علام الغیوب کے اطلاع دے ۔ کوئی بشر ایسی پیشین گوئی نہیں کرسکتا ۔ بادشاہ اگر کسی کو وزیر یا سفیر یا حاکم بنا کر بھیجتا ہے تو اس منصب کے ساتھ اُس کو کچھ شاہی امتیازات اور نشانات بھی عطا کرتا ہے اور ایسی خصوصیات سے ان کو سرفراز فرماتا ہے جو دوسروں کی حوصلہ تمنا سے خارج ہوتی ہیں ۔ جس کو دیکھ کر لوگ یہ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ شخص بادشاہ کے حکم سے آیا ہے اور پھر اس کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے ہیں اور احوال اور قرائن سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ نشانات جعلی نہیں اور بلاشبہ یہ شخص بادشاہ کی طرف سے وزیر اور سفیر بن کر آیا ہے ۔

۱۲۵ ۔ اور علیٰ ہذا القیاس بادشاہ کبھی کبھی اپنے وزیر اور سفیر کو اپنے خاص خاص رازوں

پر مطلع کرتا ہے۔ اور جب وہ وزیر اور سفیر ضرورت کے وقت اور حسب مصلحت اُن رازوں سے لوگوں کو بطور تنبیہہ و تہدید آگاہ کرتا ہے تو اہلِ فہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شخص بادشاہ کا مخصوص اور مقرب ہے۔

۱۲۶۔ اسی طرح خداوند علام الغیوب کبھی کبھی اپنے رسولوں کو بذریعہ وحی کے بعض غیبی امور کی اطلاع دیتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ اس شخص کا عالم غیب سے خاص تعلق ہے اور یہ شخص خداوند علام الغیوب کا مقبول اور برگزیدہ بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رموز سے آگاہ فرمایا ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء و مرسلین جن باتوں کی خبر دیتے ہیں وہ عقل اور تجربہ سے کہیں بالا اور برتر ہوتی ہیں۔ اُن کو سُن کر لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ باتیں صرف خداوند علام الغیوب ہی کے بتلانے سے معلوم ہو سکتی ہیں اور جس طرح عملی معجزات حق تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا نمونہ ہوتے ہیں اسی طرح علمی معجزات، حق تعالیٰ کی بے چون و چگون علم و حکمت کا نمونہ ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر نبی کے سچے ہونے کا علم بے اختیار دل میں آجاتا ہے اور اس کے غلبہ اور رعب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے سوائے عناد اور دنیوی اغراض کے کوئی شئے ایمان سے مانع نہیں رہتی پس جو لوگ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائے اُس کا سبب صرف عناد اور ازلی بدنصیبی ہے۔

معجزات کے دلیل نبوت ہونے کا ثبوت قرآن کریم سے

۱۲۷۔ قرآن کریم میں جا بجا کفار کا انبیاء کرام سے معجزات کا مطالبہ کرنا مذکور ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اپنی نبوت و رسالت کی کوئی دلیل اور برہان پیش کرو۔

ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد اٰبائنا	کافروں نے پیغمبروں سے کہا۔ تم ہم ہی جیسے آدمی ہو۔ تم ہم کو ہمارے آباؤ اجداد کے طریقہ

فأتونا بسلطان مبین [1] یعلات سے روکنا چاہتے ہو۔ پس تم اپنی نبوت و رسالت کی کوئی واضح اور روشن دلیل لاؤ یعنی کوئی معجزہ دکھلاؤ۔

قوم ثمود نے اپنے رسول سے کہا: ما انت الا بشر مثلنا فأت بآیة ان کنت من الصادقین [2] نہیں ہو تم مگر ہمارے ہی جیسے بشر پس کوئی معجزہ اور نشانی دکھلاؤ اگر تم دعوئ نبوت میں سچے ہو۔

صالح علیہ السلام نے جواب دیا۔ کہ وہ معجزہ یہ اونٹنی ہے جو بطور خرق عادت بلا کسی سبب ظاہری کے فوراً پتھر میں سے پیدا ہوئی ہے۔ اور فرعون کے قصہ میں ہے۔

قال ان کنت جئت بآیة فأت بها ان کنت من الصادقین [3] فرعون نے کہا۔ اے موسیٰ اگر تم من جانب اللہ کوئی معجزہ لائے ہو تو اس کو پیش کرو۔ اگر تم دعوائے نبوت میں سچے ہو

فالقی عصاه فاذا هی ثعبان مبین ونزع یده فاذا هی بیضاء للناظرین [4] تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا وہ فوراً اژدہا بن گیا اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ نہایت درجہ روشن تھا۔

۱۲۸ - ان آیات میں لفظ آیت اور لفظ آیات سے معجزات ہی مراد ہیں۔

لفظ آیت قرآن اور حدیث میں تین معنوں میں آیا ہے۔ (۱) بمعنی آیت قرآنیہ یعنی کلام الٰہی جیسے یتلون آیات اللہ یعنی اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس قسم کی آیتوں میں لفظ آیت سے جملۂ قرآنیہ مراد ہے۔

۱۲۹ - (۲) بمعنی عبرت جیسے فرعون کے غرق کے قصہ میں ہے۔

لتکون لمن خلفك آیة [3] یعنی ہم تیری لاش نکال کر ٹیلہ پر ڈال دیں گے تاکہ لوگوں کے لئے عبرت ہو۔

---

(۱) القرآن: ۱۴ (ابراہیم) ۱۰ (۲) القرآن ۲۶ (شعراء) ۱۵۴ (۳) القرآن: ۷ (اعراف) ۱۰۶ (۴) القرآن: ۷ (اعراف) ۱۰۸ (۵) القرآن: ۱۰ (یونس) ۹۲

۱۳۰ - (۲) بمعنی معجزہ اور نشانی - اب ہم چند آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں جن میں آیات کا لفظ معجزات کے معنی میں مستعمل ہوا ہے -

(۱) ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا الیٰ فرعون وملائه [۱]	اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل (معجزات) دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس بھیجا -
(۲) ولقد اٰتینا موسیٰ تسع آیات بینات [۲]	اور ہم نے موسیٰ کو کھلے ہوئے نو معجزات عطا کئے -
(۳) فارسلنا علیہم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم آیات مفصلات [۳]	پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا، اور ٹڈیاں، اور گھن کا کیڑا، اور مینڈک، اور خون - کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے -
(۴) فلما جاءهم موسیٰ بآیاتنا بینات [۴]	پس جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہمارے کھلے معجزات لے کر آئے -
(۵) ولقد اریناه آیاتنا کلہا فکذب وابیٰ [۵]	اور ہم نے اس (فرعون) کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھلائیں سو جب بھی وہ جھٹلاتا رہا، اور انکار ہی کرتا رہا -
(۶) فانجاه اللہ من النار ان فی ذالک لآیات لقوم یومنون [۶]	اور اللہ نے ابراہیم کو آگ سے بچا لیا، اور اس بات میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں -

۱۳۱ - **تنبیہہ :** ہر نبی کو حق جل شانہ نے اتنے معجزات ضرور عطا فرمائے کہ جن سے اُس نبی کی صداقت بخوبی واضح ہو سکے اور وہ معجزات اُس کی نبوت کی دلیل اور برہان بن سکیں - ان آیات بینات اور دلائل واضحہ اور براہینِ قاطعہ کے بعد بھی اگر کفار نے معجزات کا مطالبہ کیا تو بعض مرتبہ تو اُن کا منہ مانگا معجزہ اُن کو دکھلا دیا گیا -

۱۳۲ - اور بسا اوقات کفار کے مطالبات اور منہ مانگے معجزات ظاہر کرنے سے انکار

---

(۱) القرآن : ۴۳ (زخرف)، ۴۶، (۲)، القرآن : ۱۷ (الاسراء)، ۱۰۱ (۳) القرآن : ۷ (اعراف)، ۱۳۳،

(۴) القرآن : ۲۸ (قصص)، ۳۶، (۵) القرآن : ۲۰ (طٰہٰ)، ۵۶،

کر دیا گیا کیوں کہ ان کا یہ مطالبہ حق کو معلوم کرنے کے لئے نہ تھا بلکہ عناد اور مخالفت پر مبنی تھا۔ خاص خاص معجزات کا مطالبہ حضرات رسل کو دق کرنے اور ان کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے کے لئے تھا۔ پس جن آیات میں معجزات دیئے جانے کی نفی اور انکار مذکور ہے وہاں اُن خاص خاص معجزات کی نفی مراد ہے کہ جن کا مطالبہ محض انبیاء کرام کو دق کرنے کے لئے یا اُن کے ساتھ تمسخر کرنے کے لئے تھا اور عقلاً یہ مناسب بھی نہیں، کہ جس وقت کوئی کسی معجزہ کا مطالبہ کرنے کھڑا ہو تو اُس کی مرضی کے موافق معجزہ دکھلایا جائے۔ نبوت کیا ہوئی معاذاللہ بازیچۂ اطفال ہوگئی۔ لوگ صبح سے شام تک قسم قسم کے معجزات کا مطالبہ کریں گے۔ پس اگر اللہ کا پیغمبر سارے کام چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کے موافق معجزات دکھلاتا رہے تو کھیل اور تماشہ ہو جائے۔ ملاحدہ یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں مطلقاً معجزات کی نفی مراد ہے۔ یہ بالکل غلط اور باطل ہے۔ مطلق معجزات کا وقوع بے شمار آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جس میں مجال انکار کی نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جن آیات سے بظاہر معجزات کی نفی مفہوم ہوتی ہے۔ وہاں اُن واہی تباہی اور معاندانہ فرمائشی معجزات کی نفی مراد ہے، جن کا مطالبہ کفار محض انبیاء کرام کو دِق کرتے کے لیئے کرتے تھے۔ اور جن بے شمار آیات میں معجزات کا اثبات مذکور ہے، وہاں واقعی معجزات ہیں جو حضرات انبیاء کی نبوت و رسالت کے دلائل و براہین ہیں۔ علاوہ ازیں اثبات دعویٰ کے لئے مطلق صحیح دلیل کا پیش کر دینا کافی ہے۔ فرمائشی دلیل کا پیش کرنا ضروری نہیں۔ عدالت میں اثبات دعویٰ کے لئے دو ثقہ اور صادق گواہوں کا پیش کر دینا کافی ہے فرمائشی گواہ پیش کرنا ضروری نہیں۔ حضرات انبیاء نے دعویٰ نبوت کے اثبات کے لئے بے شمار دلائل و براہین پیش کیئے۔ مگر فرمائشی معجزات اور معاندانہ مطالبات کے پورا کرنے سے انکار فرما دیا اور اس کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ تم لوگ اس قابل نہیں کہ تم کو یہ معجزہ دکھلایا جائے کیوں کہ تم سے قبول حق کی اُمید نہیں، اور کبھی یہ جواب دیا کہ اس قسم کے

معجزات پہلے بھی دکھلائے جا چکے۔ ان کا کیا نتیجہ ہوا جو اب تمہارے مطالبات پورا کرکے امید رکھی جائے اور چونکہ کفار نابکار حضرات انبیاء کرام کو جادوگر اور شعبدہ باز سمجھتے تھے اور معجزات کو سحر اور شعبدہ کی طرح اُن کا فعل اختیاری سمجھتے تھے اس لیے ان سے قسم قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے اس خیال باطل کے رد کرنے کے لئے جواب دیا گیا۔

وما کان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ لہ — کسی رسول کے لئے یہ ممکن نہیں کہ بلا اذن خداوندی خود بخود کوئی معجزہ دکھلا سکے۔

۱۲۳ - یعنی معجزہ اللہ کا فعل ہے۔ نبی کا فعل نہیں۔ معاذ اللہ نبی کوئی جادوگر نہیں اور معجزہ سحر کی طرح کوئی فن نہیں کہ نبی کے اختیار میں ہے کہ جب چاہے اور جو چاہے معجزہ دکھلا دے، معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ فاعل مختار اور علیم و حکیم ہیں۔ معجزہ کا ظہور اُن کے ارادہ اور مصلحت پر ہے جس میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور علیٰ ہذا جن آیات میں یہ آیا ہے۔ ان کا مطلب یہی ہے کہ میں منذر اور مبشر رسول ہوں تمہاری فرمائش کے مطابق معجزات کا ظاہر کرنا میری قدرت اور اختیار میں نہیں کیوں کہ تمہاری طرح میں بھی خدا کا بندہ اور بشر ہوں اور بشریت میں شریک ہوں اور معجزات طاقت بشری سے خارج ہیں، یا یہ معنی ہیں کہ نبی کا کام توڈرانا اور پیغام پہنچانا ہے باقی ہدایت کا کسی کے دل میں اتار دینا یہ نبی کا کام نہیں بلکہ اللہ کا کام ہے۔ ملاحدہ نے ان آیات کا یہ مطلب قرار دیا کہ میں رسول اور منذر ہوں اور نبی اور منذر کے لئے معجزہ ہونا ہی نہیں اور نہ ہونا چاہیئے بلکہ معجزہ کا ہونا شانِ نبوت و رسالت کے خلاف ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا عجیب فہم ہے۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم۔

ان آیات کا صحیح مطلب وہ ہے جو ہم نے عرض کیا اور اگر بالفرض والتقدیر۔ ان آیات سے کسی درجہ میں معجزات کی نفی مفہوم ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص

---

(۱) القرآن ۱۳ (رعد) ۳۸

خاص فرمائشی معجزات اور یہ معاندانہ مطالبات شانِ رسالت کے مناسب نہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً معجزہ شانِ رسالت کے مناسب نہیں ۔

دعوائے رسالت اور معجزات میں تعلق

۱۳۴ ۔ ہمارے اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ معجزات نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان ہیں اور معجزات کو نبوت و رسالت سے ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ شاہی نشانات اور امتیازات اور شاہی تمغوں کو منصب وزارت و عہدۂ سفارت سے تعلق ہے ۔

نیز ہمارے اس بیان سے ان لوگوں کے اس خیال کی بخوبی تردید ہو جاتی ہے ۔ جو یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ معجزہ رسول کی رسالت پر دلالت نہیں کرتا اور خرق عادت کو دعوائے رسالت سے کوئی تعلق نہیں ۔

۱۳۵ ۔ ان لوگوں کے نزدیک معجزہ دلیل نبوت نہیں مگر چونکہ نبوت جیسے مہتم بالشان امر کے لیئے دلیل کی بہر حال ضرورت ہے اس لیئے انہوں نے ایک اور چیز کو نبوت کی دلیل قرار دیا ، وہ کیا ہے ۔ انبیاء کرام کی تعلیمات اور ہدایات اور اُن کے اخلاق ہیں جس کا بالفاظ دیگر حاصل یہ ہے کہ معجزۂ عملی کوئی چیز نہیں ۔ صرف علمی معجزہ دلیل ہے گویا کہ ان کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ وہ نبی علماء و فضلاء ہی کی طرف مبعوث ہو جو اس کی تعلیمات اور ہدایات کی خوبیوں کو خوب سمجھ سکیں ۔ عوام کی طرف نبی کے بعثت مناسب نہیں ، وہ علوم و معارف کو کیا جانیں ۔ اس میں شک نہیں کہ نبی کی تعلیمات اور اس کی ہدایات اور اس کے اخلاق جمیلہ بھی اس کی نبوت اور صداقت کی دلیل ہیں مگر وہ بھی اسی وجہ سے دلیل نبوت ہیں کہ خارق عادت اور معجزہ ہیں ایسی تعلیمات اور ہدایات اور ایسے اخلاق فاضلہ سے تمام عالم عاجز ہے اور تمام آیات اور احادیث متواترہ جن سے صریحی طور پر عملی معجزات کا ثبوت ہوتا ہے وہ اُن کے نزدیک سب کے سب غیر معتبر یا مؤول ہیں ۔

اس قسم کے خیال والوں سے ایک سوال

۱۳۶۔ جو لوگ معجزاتِ عملیہ کو دلیلِ نبوت نہیں قرار دیتے۔ ہمارا اُن سے ایک سوال ہے وہ یہ کہ معجزاتِ عملیہ مثلاً معجزۂ عصاء، و معجزۂ ید بیضاء، اور آتشِ نمرودی کا حضرت ابراہیم کے حق میں برد و سلام ہو جانا، اور حضرت داؤد کے لیئے لوہے کا موم ہو جانا، اور حضرت سلیمان کے لیئے ہوا کا مسخر ہو جانا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پھونک مارنے سے مُردوں کا زندہ ہو جانا، اور کوڑھی اور نابینا کا اچھا ہو جانا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتانِ مبارک سے چشموں کا جاری ہو جانا اور ایک اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، اور لکڑی کے ستون کا رونا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے معجزاتِ عملیہ کا صدور حضرات انبیاؑ کرام سے قرآن، حدیث متواتر اور تاریخ سے قطعی طور پر ثابت ہے جس کا انکار ناممکن ہے۔

۱۳۷۔ **اب سوال یہ ہے کہ:** اس قسم کے معجزات کا صدور حضرات انبیاء کرام سے کیوں ہوتا تھا۔؟ کیا یہ کوئی فعل عبث اور کھیل اور تماشہ تھا یا اس میں کوئی حکمت اور خاص غرض و غایت تھی۔؟

پہلی بات تو بالکل باطل ہے۔ اس لیئے کہ حضرات انبیاء کرام لایعنی، عبث، کھیل اور تماشہ اور شعبدہ بازی اس قسم کے افعال سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ حضرات انبیاء، لغویات میں مبتلا ہوں، لامحالہ اس بات کو ماننا پڑے گا کہ ان افعال (معجزات) کا صدور اور ظہور کسی مصلحت اور کسی صحیح غرض وغایت پر مبنی تھا۔ اب یہ حضرات بتائیں کہ ان افعال (معجزات) سے سوائے اس کے اور کیا غرض و غایت تھی کہ یہ خارق عادت افعال اُن کی صداقت کی دلیل بنیں اور لوگ ان معجزات کو اُن کی نبوت و رسالت کی برہان سمجھیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ میں ہے۔

فذانک برھانان من ربک [1] یعنی یہ دونوں معجزے تیری نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان ہیں جو من جانب اللہ تجھ کو عطا کئے گئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ معجزہ نبوت کی دلیل اور برہان ہوتا ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

۱۳۸۔ جو لوگ معجزہ کو دلیل نبوت نہیں قرار دیتے وہ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ اگر معجزہ دلیل نبوت ہے تو جو شخص عجیب و غریب شعبدہ اور کرشمہ دکھلائے تو اس کو بھی نبی کہنا چاہیئے۔ اس طرح نبی اور غیر نبی میں التباس اور اشتباہ لازم آئے گا۔

جواب

۱۳۹۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ذرا سے اشتباہ کا نام آجانے سے کسی چیز کو بے اصل کہہ دینا اور سرے سے اُس کا انکار کر دینا کمزور عقل والوں کا کام ہے۔ دنیا میں کون سی چیز ہے جس میں حق اور باطل کا اشتباہ نہیں۔ صاحب سلطنت کے پاس بھی فوج اور خزانہ ہوتا ہے اور بعض اوقات باغی کے پاس بھی یہ تمام چیزیں ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض مرتبہ صاحبِ سلطنت کا مقابلہ بھی کر بیٹھتا ہے اور کسی موقعہ پر صاحب سلطنت کو شکست بھی دیتا ہے۔ کیا اس اشتباہ اور وقتی اور عارضی مشابہت کی وجہ سے عقلِ سلیم کے نزدیک مطلقاً سلطنت کا انکار درست ہے اور یہ کہہ دینا صحیح ہے کہ میں بادشاہت اور سلطنت کو اس لئے تسلیم نہیں کرتا کہ دونوں کے پاس ایک قسم کا ساز و سامان ہے۔

۱۴۰۔ بعض مرتبہ عطائی معالج طبیب اور ڈاکٹر سے بھی علاج میں فوقیت لے جاتے ہیں کیا اس مشابہت کی وجہ سے عقل سلیم کے نزدیک سرے سے ہی طب اور علاج کا انکار درست ہے اور یہ اس اشتباہ کی وجہ سے علاج کو بیکار سمجھنا جائز ہے۔ عدالت

---

(۱) القرآن: ۲۸ (قصص)، ۳۲

میں طرفین سے وکیل بحث کرتے ہیں اور اپنی اپنی دلیل پیش کرتا ہے حتیٰ کہ بعض مرتبہ اہلِ باطل کا وکیل بازی لے جاتا ہے تو کیا کسی عاقل کے نزدیک اس عارضی اشتباہ کی وجہ سے سرے سے دلیل ہی کا انکار کر دینا اور یہ کہہ دینا کہ دلیل کوئی چیز نہیں عقلاً صحیح ہے ہرگز نہیں بازار میں ہر قسم کا سودا بکتا ہے۔ کھرا بھی اور کھوٹا بھی۔ اس اشتباہ کی وجہ سے کسی نے سودا خریدنا نہیں چھوڑ دیا ورنہ دنیا کا کاروبار ہی بند ہو جائے۔

۱۴۲۔ معلوم ہوا کہ اشتباہ کی وجہ سے ہر دو مشتبہ کو چھوڑ دینا عقلاً صحیح نہیں بلکہ حق اور باطل اور اصلی اور جعلی اور کھرے اور کھوٹے میں تمیز کی ضرورت ہے۔ اسی طرح معجزات اور شعبدات میں بھی امتیاز کرنا چاہیئے نہ یہ کہ ذرا سے اشتباہ سے معجزات کو شعبدات کی طرح بے کار قرار دیا جائے۔ اس لیئے کہ معجزات ہی پر نبوت کی صداقت اور حقانیت کی بناء ہے اور پھر نبوت ہی معاد کی صلاح اور فلاح کی معرفت کا ذریعہ ہے اس لئے چھان بین کرکے حق اور ناحق میں تمیز ضروری ہے۔

۱۴۳۔ اگر کھرے اور کھوٹے کے اشتباہ کی وجہ سے خرید و فروخت چھوڑ بیٹھیں تو دنیا کا کارخانہ معطل ہو جائے اسی طرح اگر معجزہ اور شعبدہ کے ذرائع سے اشتباہ کی وجہ سے نبوت کو چھوڑ بیٹھیں تو آپ کا کارخانہ آخرت معطل ہو جائے اور آپ اپنی اُخروی زندگی کے لئے کوئی سامان نہ کر سکیں۔

۱۴۴۔ پس جب آپ ذرا سے اشتباہ کی وجہ سے دنیائے فانی کے منافع کو نہیں چھوڑ بیٹھتے تو ذرا سے اشتباہ کی وجہ سے عالم جاودانی کی دائمی منفعت حاصل کرنے کے لیئے اور ابدی نقصان سے بچنے کے لئے کیوں سرے سے نبوت اور آخرت کو ترک کئے دیتے ہیں۔

ثبوتِ معجزات

۱۴۵۔ بحمداللہ یہ ثابت ہو گیا کہ معجزات ممکن ہیں۔ محال نہیں، لیکن محض امکان۔

ثبوت اور وقوع کے لئے کافی نہیں لہذا معجزات کے ثبوت اور وقوع کے لیئے کوئی
مستقل دلیل چاہیئے، جاننا چاہیئے کہ واقعات عالم کے ثبوت کا ذریعہ سوائے شہادت
اور روایت کے اور کچھ نہیں یعنی لوگ یہ بیان کریں کہ یہ واقعہ ہم نے بچشم خود دیکھا
ہے ۔ یہ صورت تو شہادت کی ہوئی ۔ اور روایت یہ ہے کہ ایسے واقعہ کو بیان کرے
جسے خود نہیں دیکھا ہے ۔ مگر دیکھنے والوں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سنا ہے اس کا
نام روایت ہے اور عقلاً یہ معتبر ہے بشرطیکہ درمیانی واسطہ معتبر اور قابلِ وثوق ہو۔ تمام
عدالتوں میں واقعات کا فیصلہ شہادت ہی سے ہوتا ہے پس اگر شہادت دینے والے
اشخاص ہوشیار اور راست باز ہوں تو وہ قابل قبول ہوگی اور ایسی شہادت کا انکار اور
اس سے انحراف قانوناً جرم ہوگا۔ اور اگر شہادت دینے والے افراد کی صداقت اور دیانت
مشتبہ اور مشکوک ہو تو اُن کی شہادت قبول نہ ہوگی اور یہ مشکوک شہادت، عدالت
کی نظر میں ثبوت واقعہ کے لئے کافی نہ سمجھی جائے گی ۔ اور اگر شہادت دینے والے
ایسے اشخاص ہوں کہ جن کے فہم اور حافظہ اور دیانت اور صداقت پر کہیں انگلی رکھنے
کی گنجائش نہ ہو تو ایسے اشخاص کی شہادت کو قبول نہ کرنا بلاشبہ بے عقلی کی دلیل ہوگا۔
خصوصاً جبکہ اس واقعہ کی روایت کرنے والے اور شہادت دینے والے درجۂ تواتر کو
پہنچے ہوں تو اس روایت اور شہادت کو قبول کرنا عقل کا فرض ہوگا اور اس کو نہ قبول
کرنا عقلاً تقریباً حرام ہوگا اور اگر مشاہدہ نہ ہو تو پھر علم کا ذریعہ روایت ہے ۔پس اگر اس
واقعہ کے راوی معیارِ صداقت پر پورے اتریں گے تو وہ روایت قبول کی جائے گی ۔
اور تنقید روایت کا جو معیار حضرات محدثین نے بیان کیا ہے ۔ دنیا کی تاریخ اس کا
مقابلہ نہیں کرسکتی اور نہ عقلاً اس سے بڑھ کر کوئی معیار ہوسکتا ہے علم اصول حدیث
اسی معیار کے لیئے وضع کیا گیا ہے تاکہ صحیح اور غیر صحیح اور مقبول اور غیر مقبول میں
فرق کیا جاسکے ۔

۱۴۶۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو لیجئے، کچھ تو قرآن کریم سے ثابت ہیں اور اکثر و بیشتر احادیث سے ثابت ہیں پس جو معجزات قرآن سے ثابت ہیں وہ بہت کم ہیں اُن کے ثبوت میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا۔ البتہ اکثر معجزات روایات حدیث سے ثابت ہیں جن میں سے بہت سے معجزات وہ ہیں کہ جو نقل متواتر سے ثابت ہیں اور بہت سے وہ ہیں کہ جو خبر واحد سے ثابت ہیں۔

۱۴۷۔ اور تمام عقلاء عالم کا یہ اجتماعی مسئلہ ہے کہ اگر خبر دینے والے کا فہم اور حافظہ اور اس کی صداقت اور راست بازی قابلِ وثوق ہو تو اس خبر کو قبول کیا جائے گا اور ایسے شخص کی روایت واجب العمل ہوگی اور محض اس احتمال پر کہ ممکن ہے اس شخص کے سمجھنے یا یاد رکھنے میں کوئی غلطی ہو گئی ہو اور ممکن ہے کہ اس نے کسی غرض کی بناء پر جھوٹ بول دیا ہو۔ اس قسم کے عقلی احتمالات پر اس خبر کو رد کرنا جائز نہیں اگر خبر کے قابلِ قبول اور قابل عمل ہونے کے لئے ایسا یقین کامل شرط ہو کہ جس میں کسی قسم کا عقلی احتمال اور شک نہ نکل سکے تو کارخانۂ عالم معطل ہو جائے اس لحاظ سے کوئی خط اور تار معتبر نہ رہے گا۔ اور نہ کوئی زبانی پیغام قابلِ وثوق ہوگا اس لئے کہ ان میں بھی یہی احتمال ہے کہ ممکن ہے کہ خط لکھنے والے اور تار دینے والے سے کوئی غلطی ہو گئی اور شخص واحد سے غلطی کا ہونا خارج از امکان نہیں۔

۱۴۸۔ پس جب ان عقلی احتمالات اور خیالی شکوک و خدشات کی بناء پر دنیاوی امور میں اخبار آحاد کے قبول کو لازم اور ضروری سمجھتے ہو تو پھر روایات معجزات میں اخبار آحاد کے قبول کرنے میں کیوں پس و پیش کرتے ہو، حالانکہ روایات حدیث کا معیار اس سے ہزاروں اور لاکھوں درجے بلند ہے، اور اس درجہ بلند ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور کوئی مذہب اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا اور دنیا کی کسی تاریخی روایت میں یہ جرأت نہیں کہ وہ روایت حدیث کے مقابلہ کا تصور بھی کر سکے۔ تاریخی واقعات جو مستند سے مستند اور معتبر سے معتبر کتاب میں مذکور ہیں کسی مؤرخ نے ان میں سے کسی واقعہ کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔

۱۴۹۔ بخلاف حضرات محدثین کے کہ ان کے یہاں بغیر سند کے کوئی روایت معتبر نہیں اور پھر محض

سند بھی کافی نہیں۔ جب تک اوّل سے آخر تک سلسلۂ سند کے تمام راویوں کی تنقید نہ کر لی جائے۔

۱۵۰۔ **معجزاتِ نبویہ** : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات تو قرآن کریم سے تفصیلی طور پر ثابت ہیں اور بعض اجمالی طور پر۔ اور احادیث سے تمام معجزات تفصیلی طور پر ثابت ہیں، مثلاً قرآن کریم میں نبوت کے ثبوت کے لئے جہاں کہیں آیت، آیات یا برہان کا لفظ آیا ہے وہاں تمام مفسرین کے اجماع کے مطابق معجزات مراد ہیں، مثلاً :

وَاِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ[1] اور یہ جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

فلما جاءھم بایاتنا اذا ھم منہا یضحکون[2] پھر جب موسیٰؑ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ یکایک ان پر ہنسنے لگے۔

اور آیات قرآنیہ میں لفظ آیت اور آیات بکثرت معجزات کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اگرچہ بہت سے مقامات پر نشانی یا قرآنی آیت کے معنی میں آیا ہے، لیکن جس مقام پر انبیائے کرام کی نبوت و رسالت ثابت کرنے کے لئے لفظ آیت یا آیات آیا ہے، وہاں سب جگہ معجزہ اور معجزات مراد ہیں۔

۱۵۱ **معجزاتِ قرآنیہ** : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن معجزات کا ذکر قرآن کریم میں صراحتاً آیا ہے، ان کا اجمالی ذکر کرتے ہیں اور جن معجزات کا ذکر احادیث میں آیا ہے وہ کیونکہ بہت مفصل ہے، اس لئے یہاں اس کے ذکر سے گریز کرتے ہیں۔ انہیں کتب حدیث اور کتب سیرت میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۱: سبحان الذی اسریٰ بعبدہ[3] وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے (محمدؐ) کو لے گئی۔

---

(۱) القرآن: ۳۷ (صافات) ۱۴ (۲) القرآن: ۴۳ (زخرف) ۴۷

(۳) القرآن: ۱۷ (الاسراء) ۱

۲: اقتربت الساعۃ وانشق القمر(۱) قیامت قریب آپہنچی، اور چاند پھٹ گیا۔

۳: وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ (۲) اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی، جس وقت پھینکی لیکن وہ اللہ نے پھینکی۔

۴: وعد اللہ الذین اٰمنو منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم(۳) تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو اس اتباع کی برکت سے زمین میں حکومت عطا فرمائیں گے، جیسے ان سے پہلے (ہدایت یافتہ) لوگوں کو دی تھی۔

۵: ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون(۴) وہ اللہ ایسا ہی ہے، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اس دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کرے، اگرچہ مشرک لوگ اس سے ناخوش ہی کیوں نہ ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دین محمد کے دوسرے تمام دینوں پر غالب ہونے کا وعدہ فرمایا اور اسے اللہ نے پورا کیا۔

۶: لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ اٰمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذالک فتحا قریبا(۵)
اگر اللہ نے چاہا تو تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے، امن وامان کے ساتھ، تمہارے سر منڈے ہوئے ہوں گے اور کسی کے بال کترے ہوئے ہونگے۔

---

(۱) القرآن ۵۴ (القمر) ۱ (۲) القرآن ۸ (انفال) ۱۷

(۳) القرآن: ۲۴ (نور) ۵۵

(۴) القرآن: ۶۱ (صف) ۹

(۵) القرآن: ۴۸ (فتح) ۲۷

تم کو کسی طرح کا خوف نہ ہو گا۔ پس اللہ کو وہ سب کچھ معلوم ہے جو تم نہیں جانتے پھر اس سے پہلے لگتے ہاتھ اللہ نے ایک فتح دے دی۔

اس آیت میں مسجد حرام میں داخل ہونے کی جو پیشین گوئی کی گئی تھی، وہ پوری ہوئی۔ الٓمٓ غلبت الروم ٥ فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین للہ الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المومنون. بنصر اللہ ینصر من یشاء وھو العزیز الرحیم (۱)

روم کے لوگ قریب کے ایک موقع پر مغلوب ہو گئے اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سے نو سال کے عرصے میں پھر غالب آجائیں گے۔ پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور بعد میں بھی۔ اور اس روز مسلمان اللہ کی اس مدد پر خوش ہوں گے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (۲) (ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

۲۔ معجزات نبوی پر مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات :

اب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مشہور معجزات کا ذکر کرتے ہیں جو قطعی دلائل سے ثابت ہیں اور ان کا ماننا ایمانیات میں داخل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ملاحدہ کے شبہات اور اعتراضات اور اہل حق کے جوابات کا بھی ذکر کریں گے تاکہ تشنگان ہدایت کے لئے آب حیات کا کام دیں۔

---

(۱) القرآن : ۳۰ (الروم) ۱-۴

(۲) القرآن: ۱۵ (حجر) ۹

معجزۂ معراج

معترضین کے اعتراضات اور ان کے جوابات

واقعہ معراج پر اعتراض کرنے والوں کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ تو وہ ہے کہ جو مذہب اسلام کا حلقہ بگوش ہی نہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا قائل ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو اپنے آپ کو اسلام کا حلقہ بگوش کہتا ہے، مگر واقعات معراج میں تاویلات سے کام لیتا ہے اور اپنے زعم میں واقعہ معراج کو عقل کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے، کبھی کہتا ہے کہ واقعۂ معراج محض ایک خواب تھا، کبھی کہتا ہے کہ وہ روحانی تھا، جسمانی نہ تھا اور گول مول عبارتیں لکھتا ہے اور مختلف اقوال نقل کر کے ناظرین کو شک میں ڈال دیتا ہے اور خود علیحدہ ہو جاتا ہے، یہ چالاکی اور عیاری ہے، اولاً ہم پہلے گروہ کے شبہات نقل کر کے ان کے جوابات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

۱۵۴ شبہ: آسمان کا کوئی وجود ہی نہیں، وہ محض ایک مدبصر کا نام ہے تو پھر آسمان پر جانے کے کیا معنی۔

۱۵۵ جواب: آسمان کے وجود کا مسئلہ ایک مسلّمہ مسئلہ ہے جو تمام انبیاء کرام کی شریعتوں میں مسلّم رہا اور ہزارہا سال سے تمام حکماء اور فلاسفہ آسمان کے وجود کو تسلیم کرتے چلے آئے کہ آسمان ایک موجود اور مجسّم شئی ہے کسی صفت یا حد نگاہ کا نام نہیں، بعض فلاسفہ اور سائنس دان آسمان کے وجود کے منکر ہیں لیکن اس انکار کی وجہ ان کے پاس سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آسمان ان کو نظر نہیں آتا۔ اگر ہے تو ہم کو ضرور نظر آنا چاہیئے، اور اگر آنکھوں سے نظر نہ آئے تو دوربین وغیرہ آلات کے ذریعہ نظر آئے۔

۱۵۶۔ اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ کسی چیز کا آنکھوں یا آلات سے نظر نہ آنا یہ اس کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ اب بھی ہزارہا اشیاء زمین یا سمندر کی تہہ میں پوشیدہ ہیں کہ جو کسی طرح نظر نہیں آتیں، ان سب کا انکار کر دینا چاہیئے۔

۱۵۷۔ نیز اگر کسی روشن چراغ پر شیشہ کا صاف وشفاف گلوب رکھ دیا جائے تو دور سے صرف چراغ نظر آئے گا، اور وہ گلوب نظر نہ آئے گا حالانکہ وہ موجود شئی ہے، معلوم ہوا کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ ممکن ہے کوئی چیز حد نگاہ سے اتنی دور ہو کہ وہاں تک انسان کی نہ قدرتی آنکھ پہنچ سکے اور نہ کسی آلہ کے ذریعہ اس کی نگاہ وہاں تک پہنچ سکے، ایسی چیز نظر نہیں آتی، اسی طرح آسمان نگاہ سے دور بھی ہے اور کوئی آنکھ اور کوئی دوربین وہاں تک کام نہیں دے سکتی، زمین سے لاکھوں کروڑوں میل دور ہے۔

۱۵۸۔ نیز آسمان اگرچہ صاف وشفاف ہے، مگر چاند اور سورج کی طرح روشن نہیں جو لاکھوں میلوں سے باوجود دور ہونے کے بھی نظر آئے، معلوم ہوا کہ نظر نہ آنا معدوم ہونے کی دلیل نہیں۔ نیز یہ قول فلاسفہ کے نزدیک مختلف فیہ ہے سوائے معدودے چند کے تمام حکماء اور فلاسفہ اس کے قائل ہیں کہ آسمان ایک مجسم شے ہے، پس ایسے کمزور شبہات کی بناء پر الہامی تصریحات اور حکماء اور فلاسفہ کی اتفاقی تحقیقات اور مسلمات کو پس پشت ڈال دینا خلاف عقل ہے۔

۱۵۹ شبہ ۲ : یہ ہے کہ اگر آسمان ہے تو اس میں خرق والتیام ممکن نہیں۔

۱۶۰ جواب : یہ ہے کہ آسمان میں خرق والتیام کے محال ہونے پر کوئی

دلیل نہیں۔ فلاسفہ کے محض قیاسات اور وہمی مقدمات ہیں، باقی جو خدا اپنی قدرت سے بشمار اجزاء کو جوڑ کر اتنا بڑا جسم (آسمان) بنا سکتا ہے، وہ اپنی قدرت سے اس کو توڑ پھوڑ بھی سکتا ہے، جوڑنا اور توڑنا اور پھوڑنا اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ رہا مسئلہ خرق والتیام کہ آسمان کا پھٹنا اور جڑنا محال ہے۔ سو یہ تمام انسانی شریعتوں کے نزدیک باطل ہے۔ یہود اور نصاریٰ سب اس کے جواز پر متفق ہیں۔

۱۶۱: اور حضرت ایلیاہ اور حضرت عیسیٰ کا آسمان پر جانا تمام یہود اور نصاریٰ کے نزدیک مسلم ہے، اگر پادری لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ وہ عقلاً محال ہے تو ان کو پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ایلیاہ علیہ السلام کے رفع الی السماء (آسمان پر اٹھائے جانے) کا انکار کر دینا چاہیئے اور عقلاً اس لئے محال نہیں کہ آج تک حکماء نے اور ارسطو اور اس کے متبعین نے کوئی قطعی دلیل آسمان کے خرق والتیام کے محال ہونے پر قائم نہیں کی۔ حکماء نے جس قدر بھی دلائل اس بارہ میں ذکر کئے ہیں وہ سب کے سب نہایت مخدوش اور کمزور ہیں۔

۱۶۲۔ البتہ حکماء فرنگ کے متبعین ان عیسائی مذہب والوں کو کہ جو علم ہیئت میں فیثاغورس کے نظام کے قائل ہیں، ان کو مشکل ہو گا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک سرے سے آسمان ہی کا وجود نہیں تو ان کو چاہیئے کہ واقعہ معراج کے انکار سے پہلے حضرت ایلیا اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے عروج الی السماء کا انکار کریں۔ نصاریٰ کے نزدیک جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آسمانوں کا خرق والتیام ممکن ہے، اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ممکن ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا یہ بھی معراج ہی تھا

اور اگر واقعہ معراج کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ وہ مشکل اور خلاف عادت ہے تو کنواری کے پیٹ سے بے شوہر حاملہ ہونا اور پھر بچہ پیدا ہونا اس سے زیادہ بعید ہے۔ یعنی اگر مطلق امر بعید کاذب ہونا ہے تو تمہارے قاعدہ کے مطابق یہ واقعہ بدرجہ اولیٰ کاذب ہونا چاہیئے۔

(ماخوذ از ازالۃ الشکوک ص۵۲)

۱۶۳ **شبہ ۳ :** ایک جسم عنصری کا باوجود ثقیل ہونے کے اس درجہ سرعت کے ساتھ پرواز کرنا کہ آسمان پر چلا جائے اور پھر وہاں سے لوٹ آئے یہ کیسے ممکن ہے۔

۱۶۴ **جواب :** عقلاً سرعت (تیزی) کی کوئی حد نہیں، آج کل کی صنعتی ترقی نے اس شبہ کی نفی کر دی ہے۔ ہوائی جہازوں کی رفتار دن بدن بڑھتی جا رہی ہے معلوم نہیں کہ کس حد تک پہنچے گی۔ انسان کو اپنی قدرت کی بھی پرواز معلوم نہیں مگر خداوند قدیر کی قدرت کے متعلق قسم قسم کے شکوک اور شبہات اس کو لاحق ہیں نیز قاعدہ عقلیہ ہے کہ جب دو چیزیں مل جائیں تو حکم غالب اور قوی کا ہوتا ہے انجن کثیف ہے اور اس کے اندر جو بخار اور بھاپ ہے وہ لطیف ہے، مگر یہ لطیف اپنی لطافت کی وجہ سے اتنا قوی ہے کہ اس کثیف کو بلا مشقت نہایت سہولت کے ساتھ کھینچ کر لے جاتا ہے۔

۱۶۵۔ اسی طرح قیاس کیجئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح آپ کی جسمانیت پر غالب آجائے تو اب جسد اطہر طیران اور پرواز میں روح کے تابع ہو جائے گا اور عالم ملکوت کی سیر اس کے لئے قابل تعجب نہ رہیگی۔

تن او کہ صافی تر از جان ما است — بیک لحظہ گر آمد و شد روا است

غلبۂ روح سے جو تن میں لطافت آئی — اڑ گیا عرش سے بھی فوق یہ رفعت پائی

اور ملائکہ اور جنات کی آمد ورفت اور حضرت آدم کا ہبوط اور حضرت عیسیٰؑ کا رفع اور نزول قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور علماء یہود و نصاریٰ کے نزدیک مسلّم ہے۔

۱۶۶ **شبہ ۴** - چوتھا شبہ یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان گرم اور سرد طبقات ہونے کی وجہ سے یعنی کرۂ نار اور کرۂ ہوا ہونے کی وجہ سے ایک ذی روح کا صحیح وسالم آسمان پر پہنچنا محال ہے، اس لئے کہ آسمان کے نیچے ایک کرہ نار ہے، جس میں سے ایک زندہ کا بغیر جلے ہوئے صحیح سالم گزرنا محال ہے اور آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرۂ ہوا ہے، اس میں سے انتہائی ٹھنڈک کی وجہ سے گزرنا ممکن نہیں، اور پھر کرۂ ارض سے گزر جانے کے بعد بغیر سانس لئے زندہ رہنا ممکن نہیں۔

۱۶۷ **جواب**: یہ ہے کہ طبقہ ناریہ کے وجود کے قائل سوائے حکماء یونان کے اور کوئی نہیں۔ بعض فلاسفۂ اسلام کی رائے ہے کہ فلک دن رات گردش میں ہے۔ اس مسلسل گردش سے ایک قسم کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے جس کو یونانیوں نے کرہ ناریہ سمجھ لیا، ورنہ فی الحقیقت کوئی کرہ ناریہ نہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ کرۂ ناریہ کوئی شے ہے تو اشیاء کے خواص اور آثار خداوند کردگار کے ہاتھ میں ہے، جس خاصیت کو چاہیں اس کو جدا کر سکتے ہیں۔ آگ میں دو خاصیتیں ہیں ایک جلانا دوسری روشن کرنا۔ پس ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کسی وقت آگ سے جلانے کی خاصیت سلب کر لیں اور فقط روشنی باقی رہنے دیں، جیسے پھول جھڑی یا دوسری آتش بازیاں کہ ان میں آگ روشن ہے، مگر اصلاً کسی چیز کو جلاتی نہیں، پس کیا خداوند ذوالجلال کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اپنے کسی برگزیدہ بندے کے لئے آگ کی صفت

احراق کو سلب کر لے، اس کو تھوڑی دیر کے لئے برد اور سلام بنا دے اور آگ میں فقط روشنی کی صفت باقی رکھے۔

۱۶۸: نیز آج کل ایجادات میں ایک ذرہ ایجاد ہوئی ہے کہ جس کے پہن لینے سے گولی اثر نہیں کرتی۔ پس کیا خدا تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے نبی کو کوئی ایسا لباس پہنا دے جس کی وجہ سے آگ کے اثر سے محفوظ رہیں۔

۳: خدا کی قدرت سے سمندری کیڑا آگ میں پیدا ہوتا ہے مگر جلتا نہیں بلکہ آگ اس کے لئے آب حیات ہوتی ہے، وہ آگ میں جلتا اور مرتا نہیں بلکہ آگ سے جدا ہونا اس کے لئے موت ہے۔

۴: بعض علاقوں میں ایسے پودے بھی ہوتے ہیں کہ ان میں بجائے پانی دینے کے ان کے نیچے آگ روشن کی جاتی ہے اور وہ آگ کی گرمی سے سرسبز رہتے ہیں، اگر ذرا آگ کی حرارت کم ہو جائے تو وہ خشک ہو جاتے ہیں۔

۵: معدہ میں ایک ناری مادہ موجود ہے کہ جو تمام غذا کو پکا ڈالتا ہے مگر معدہ کو نہیں جلاتا۔

۱۶۹۔ معلوم ہوا کہ آگ کسی کو جلاتی ہے اور کسی کو جِلاتی ہے اور اس کی حیات کا ذریعہ ہوتی ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے، اور دنیا اس کا مشاہدہ کر رہی ہے، پس اگر خداوند قدیر آگ کو تھوڑی دیر کے لئے اپنے کسی برگزیدہ بندہ کے جسم اطہر کی حفاظت کا ذریعہ بنا دے تو کیوں محال سمجھتے ہو۔

۱۷۰: آج کل یورپ کے بعض سائنس دان یہ کہہ رہے ہیں کہ سورج میں ایک

مخلوق آباد ہے، مگر ہنوز یہ ثابت نہیں ہوا کہ وہ مخلوق کس عنصر سے پیدا ہوئی ہے۔

۱۷۱: پس جب خدا کی قدرت سے ایک ایسے گرم اور روشن کرہ (یعنی آفتاب) میں مخلوق زندہ رہ سکتی ہے تو کیا خداوند قدیر اپنے کسی برگزیدہ بندہ کو کرۂ نار سے صحیح و سالم گزار کر نہیں لے جا سکتا۔ رہا یہ امر کہ کرۂ ہوا میں بغیر سانس لئے زندہ رہنا ممکن نہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں بچہ ماں کے پیٹ میں بغیر سانس کے مہینوں زندہ رہتا ہے اور بہت سے غوّاص (غوطہ زن) دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور گھنٹوں پانی میں رہتے ہیں اور ظاہر ہے پانی میں سانس نہیں لے سکتا۔

۱۷۲ دوسرا گروہ: یہ کہتا ہے کہ واقعہ معراج جسمانی اور بحالت بیداری نہ تھا بلکہ ایک روحانی اور خواب کی چیز تھی۔ آپ بحالت بیداری اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر تشریف نہیں لے گئے بلکہ عالم ملکوت کی یہ سیر تمامتر حضورؐ کا ایک خواب تھا۔

۱۷۳ جواب: یہ کہ اگر یہ واقعہ تمامتر خواب تھا تو مشرکین مکّہ نے حضور پرنور کا مذاق کیوں اڑایا اور آپ کے ساتھ تمسخر کیوں کیا اور آپ سے بیت المقدس کی نشانیاں کیوں دریافت کیں۔

نیز اگر یہ واقعہ خواب تھا تو پھر اس کو حضور کے خاص الخاص معجزات میں کیسے شمار کیا گیا، خواب میں تو ابوجہل اور ابولہب بھی بیت المقدس جا کر آسکتا ہے۔

۱۷۴ معجزۂ شق القمر

اقتربت الساعة وانشق القمر وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر[1]

یعنی قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور ان کافروں کی عادت یہ

[1] القرآن: ۵۴ (القمر) ۱

ہے کہ اگر کوئی بنوت کی نشانی اور معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور بات ٹالنے کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ جادو ہے کہ جو برابر چلا آتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انشق ماضی کا صیغہ ہے، اس کو اپنے ہی معنی پر رکھنا چاہیئے، اور بمعنی مستقبل اس کو قرار دینا متعدد وجوہ سے خطا ہے۔

۱۷۵ وجہ اوّل: بعض قرأت میں قد شق القمر کلمہ قد کے ساتھ آیا ہے اور کلمہ قد جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو اس کو نصاً اور قطعاً معنی میں ماضی کر دیتا ہے اور یہ ضروری ہے کہ دونوں قرأتیں ہم معنی ہوں، یہ جائز نہیں کہ ایک دوسری قرأت کے مخالف ہو۔

۱۷۶ وجہ دوم: نیز دوسری آیت: وان یروآیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر[۱] یہ بھی اس کا قرینہ ہے کہ کفار کی یہ تکذیب اور اس کو سحر بتلانا حضورؐ کی زندگی کا واقعہ ہے۔ حضرات انبیاء کے معجزات کو دیکھ کر کافروں نے اس کو سحر بتلایا ہے، قیامت کے وقت جن خوارق کا ظہور ہوگا نہ کوئی کافر ان کی تکذیب کر سکے گا اور نہ اس کو سحر بتا سکے گا۔

۱۷۷ وجہ سوم کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ انشق بمعنی ماضی ہے اور انشقاق قمر واقع ہو چکا ہے۔ قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں: اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروآیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر[۲]

اور بعض نے جو انشق کو مستقبل کے معنی میں لیا ہے وہ قول صحیح نہیں۔ یہ بات امت مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہے۔ حضرات مفسرین محض بطور حکایت کبھی کبھی کسی ضعیف اور مردود قول کو بھی محض اطلاع کے لئے نقل کر دیتے ہیں، جس سے امت کے اجماع اور اتفاق میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

---

[۱] القرآن: ۵۴ (القمر) ۲

الحاد پسند طبیعتیں ایسے ہی ضعیف اقوال کی تلاش میں رہتی ہیں، جس طرح مکھی گندی چیزوں کی تلاش میں رہتی ہے۔

۱۷۸ وجہ چہارم: علاوہ نص قرآنی کے احادیث صحیحہ متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ انشقاق قمر کا واقعہ عہد نبوت میں پیش آیا، اور بہت سے صحابہ نے اس کو روایت کیا۔ جیسے عبداللہ بن مسعود اور جبیر بن مطعم اور عبداللہ بن عباس اور انس بن مالک اور حذیفۃ بن الیمان وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ خلاصہ ان تمام روایات کا یہ ہے کہ ایام حج میں ایک رات کافر جمع تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تلقین و تفہیم فرما رہے تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ ساحر کا سحر فلکیات میں نہیں چلتا، اس لئے آپ سے شق قمر کا سوال کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت سے چاند کی طرف اشارہ کیا، اس وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ناظرین نے اس کو اپنی آنکھوں سے خوب اچھی طرح دیکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس پر شاہد یعنی گواہ رہو۔ اس کے بعد پھر دونوں ٹکڑے مل گئے۔ ایک یہودی جو اس مجمع میں حاضر تھا اور کفار کے مشورہ میں شریک تھا، وہ تو ایمان لے آیا اور ابوجہل اور دیگر کفار نے کہا کہ اس نے سحر کیا ہے، لیکن اس کا سحر سارے جہان پر تو چلے گا نہیں۔ اس لئے ہم باہر سے آنے والے مسافروں سے دریافت کریں گے، جب باہر کے مسافروں سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی اقرار کیا۔ اس پر ان کافروں نے کہا:

ھٰذا سحر مستمر

۱۷۹ وجہ پنجم: شق قمر کا معجزہ تمام کفار میں مشہور تھا اور وہ اس کو حضور پرنور کا سحر بتلاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ واقعہ اور اس کا وقوع ان کے نزدیک مسلم تھا، جب ہی تو اس کو سحر بتلاتے تھے، ورنہ جو چیز وقوع میں نہ آئی

ہو اس کو سحر بتلانے کے کیا معنی. معترضین اور منکرین یہ کہتے ہیں کہ شق قمر کا معجزہ ناممکن اور محال ہے۔ اس لئے کہ اجرام فلکیہ میں خرق اور التیام (پھٹنا اور جڑ جانا) ناممکن اور محال ہے۔

نیز اگر چاند پھٹ جاتا تو دنیا میں عظیم انقلاب رونما ہوتا اور زمین تہ وبالا ہو جاتی اور سمندروں میں تلاطم اور مدوجزر پیدا ہو جاتا۔

۱۸۰ جواب: قدیم فلاسفہ آسمانوں میں خرق و التیام کے محال ہونے کے مدعی ہیں، مگر اس امر کے عدم امکان کے لئے ان کے شبہات اور وہمی اور خیالی مقدمات پر کوئی دلیل نہیں اور حال کے ماہرین فلکیات اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ تمام اجرام کثیف ہیں اور سب میں خرق اور التیام ممکن ہے اور شہاب ثاقب انہی اجرام علویہ میں سے ہے جس کا شکستہ ہونا اور پھر جڑ جانا روزمرہ مشاہدہ میں آتا ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت کے لحاظ سے زمین اور آسمان اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ سب ایک ہی درجہ میں ہیں۔ قرآن تیرہ سو سال سے خبر دے رہا ہے کہ زمین اور آسمان دونوں پہلے متصل تھے، بعد میں حق تعالیٰ نے دونوں کو جدا جدا کر دیا۔ اولم یر الذین کفروا ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما [1]

(کہ آسمان اور زمین پہلے دونوں پیوستہ تھے، پھر ہم نے ان دونوں کو جدا کر دیا۔

اور اہل سائنس نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ ابتداءً آسمان اور زمین باہم متصل تھے، بعد میں جدا جدا کر دیئے گئے۔

۱۸۱ معجزہ ردشمس: معجزۂ شق قمر کی طرح معجزہ ردشمس کو سمجھو کہ حضورِ پُرنور کی دعا سے آفتاب کو تھوڑی دیر کے لئے لوٹا دیا گیا تاکہ حضرت علیؓ نماز

---

[1] القرآن: ۲۱ (الانبیاء) ۳۰

عصر ادا کر سکیں۔

ردشمس کا واقعہ شق قمر کے واقعہ سے زیادہ عجیب نہیں۔ اس کے تسلیم کر لینے کے بعد ردشمس کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہیں۔ ردشمس میں صرف حرکت میں تغیر ہے جو فقط ایک حالت میں تغیر ہے، ذات میں کوئی تغیر نہیں اور شق قمر میں ذات اور اجزاء میں تغیر ہے اور حق تعالیٰ کی قدرت کے لحاظ سے ذات اور صفت میں تغیر سب یکساں ہے۔

۱۸۲ اثبات رسالت محمدیہ

علی صاحبہا الف الف صلاۃ والف الف تحیۃ

خداوند ذوالجلال کی حکومت اور اس کا احکم الحاکمین ہونا سب کو مسلّم ہے اور جب اس کا خدا اور معبود اور حاکم مطلق ہونا مسلّم ہے تو بندوں پر اس کی اطاعت بھی لازم ہوگی، اس لئے کہ اطاعت حکومت کے لوازم میں سے ہے اور خداوند ذوالجلال کی اطاعت کیسے لازم نہ ہو، خصوصاً جبکہ تمام اسباب اطاعت کے اس کی ذات بابرکات میں جمع ہیں۔

(۱) وہی ہمارا خالق اور موجد ہے اسی نے ہم کو وجود عطا کیا ہے، اسی کے ہاتھ میں ہمارے وجود کی باگ ہے، تمام کائنات کا وجود اسی کا عطیہ اور جُود ہے۔

۱۸۳ (۲) وجود کی طرح۔ تمام عالم کا نفع اور ضرر سب خداوند عالم کے قبضۂ قدرت میں ہے، دھوپ اگرچہ زمین سے متصل ہے مگر دھوپ جس قدر آفتاب کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس قدر زمین کے قبضۂ قدرت میں نہیں، اسی طرح مخلوقات کا وجود اور اس کے کمالات اگرچہ مخلوق سے متصل ہیں، مگر جس قدر خدا تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اس قدر مخلوقات کے قبضۂ قدرت میں نہیں۔

۱۸۴ (۳) اور علاوہ نفع اور ضرار کے ہر قسم کا کمال اور ہر نوع کا حسن وجمال

اس کی ذات بابرکات میں موجود ہے، اور اس کے سوا جس کسی میں کوئی بھلائی یا خیر وخوبی یا فضل وکمال یا حسن وجمال ہے تو اسی کے کمال اور حسن وجمال کا ایک ادنٰی پرتو ہے، معلوم ہوا کہ محبوب اصلی اور مطلوب واقعی اصل میں وہی نور السمٰوات والارض ہے اور محبوبیت اور مطلوبیت اصل میں اسی کے لئے ہے، اور اس کے سوا جو کوئی محبوب اور مطلوب ہے تو اس میں اسی کی شان محبوبی کا کوئی پرتو اور عکس ہے۔

۱۸۰: جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ مدار کار اطاعت فقط انہی تین باتوں پر ہے۔ خالقیت وجود اور مالکیت نفع وضرر اور جمال محبوبیت، غلام اپنے آقا کی اطاعت اس لئے کرتا ہے کہ وہ اس کا مالک ہے۔ رعیت اپنے بادشاہ کی اطاعت بامید نفع یا باندیشہ ضرر کرتی ہے اور عاشق اپنے محبوب کی بتقاضائے محبت اطاعت کرتا ہے اور جب یہ تینوں باتیں خدا ہی میں اصل ہوئیں تو ہر قسم کی اطاعت بھی خدا ہی کے لئے ہونی چاہیئے۔

۱۸۶ **اطاعت کی حقیقت**: جب یہ ثابت ہو گیا کہ اصل میں ہر طرح سے خداوند عالم ہی واجب الاطاعت ہے تو اب یہ سمجھیے کہ اطاعت اور فرماں برداری اور تابعداری کس کو کہتے ہیں اور اس کی کیا حقیقت ہے، دوسرے کی رضا اور مرضی کے موافق کام کرنے کا نام اطاعت ہے۔ خلاف مرضی کام کرنے کا نام اطاعت اور فرماں برداری نہیں بلکہ اس کا نام معصیت اور نافرمانی ہے۔ الحاصل اطاعت کے لئے موافقت ضروری ہے۔ لیکن رضا اور عدم رضا کا حال یہ ہے کہ ہماری اور تمہاری رضا اور عدم رضا بھی بغیر بتلائے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی تو خداوند عالم کی رضا اور عدم رضا بغیر اس کے بتلائے ہوئے کیسے معلوم ہو سکے گی۔ جسم انسانی سے بڑھ کر کوئی چیز ظاہر نہیں، مگر اس پر بھی یہ حال ہے کہ

اگر سینہ سے سینہ بھی ملا دیں بلکہ دل کو چیر کر بھی سامنے رکھ دیں اور دکھلا دیں تب بھی دل کی بات معلوم نہیں ہو سکتی، اور خداوند عالم تو سب سے زیادہ لطیف ہے، اس کے دل کی بات اس کے بتلائے بغیر کیسے معلوم ہو سکے گی۔

۱۸۷: غرض یہ کہ اطاعت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ہم کو پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں کا علم ہو اور حق تعالیٰ کی نسبت یہ دریافت کرنا کہ وہ کن امور سے خوش ہوتا ہے اور کن امور سے ناخوش، ہر شخص کی قدرت سے باہر ہے، کیونکہ محض عقل سے حق جل شانہ کی مرضیات اور نامرضیات کا دریافت کرنا ممکن نہیں اور اگر ہم نے اپنی لولی اور لنگڑی عقل سے ایک دو بات معلوم بھی کر لی تو وہ کافی نہیں۔ اس ناقص اور ناتمام علم سے کیا کام چلتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حق جل شانہ ہر بات میں ہماری عقل کے پابند نہیں ہو سکتے، کیا عجب ہے کہ شان بے نیازی کی بناء پر کچھ اور حکم دے دیں۔ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی اطاعت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ وہ خود اپنی رضا اور عدم رضا سے بندوں کو مطلع کرے۔

۱۸۸: **احکام خداوندی کی اطلاع کا ذریعہ:** حق جل شانہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں اور اس کے اوامر و نواہی کی اطلاع کا ذریعہ اس کا کلام ہے، کیونکہ حق تعالیٰ متکلم اور قادر علیم ہے اور اس کے متکلم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بندوں میں سے اس بندہ کو جو اس کی بارگاہ میں خاص تقرب رکھتا ہو، اس کو اپنی ہمکلامی اور مناجات سے سرفراز فرمائیں اور پھر وہ اللہ کا کلام اور اس کے احکام کو لوگوں تک پہنچائے۔

۱۸۹: بادشاہان دنیا اور محبوبان دار فناء کو ہم دیکھتے ہیں کہ اس مجازی اور فانی مالکیت اور برائے نام محبوبیت کی بناء پر ہر کس و ناکس سے ہمکلام نہیں ہوتے اور نہ ان کو ما فی الضمیر کی اطلاع اور خبر دیتے ہیں۔ پس خداوند ذوالجلال کی شان عالی

کے یہ کب مناسب ہے کہ وہ ہر کس و ناکس کو اپنی حضوری اور ہم کلامی سے باریاب فرمائے اور بغیر انبیاء و رسل کے توسط کے خود بخود بندوں کو مطلع کرے پس جس طرح بادشاہوں کے احکام وزیر یا نائب السلطنت کے توسط سے رعایا کے پاس پہنچتے ہیں، اسی طرح احکم الحاکمین کے احکام بندوں تک انہی حضرات کے ذریعہ سے پہنچیں گے جو اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص مقرب اور معتمد ہوں گے۔ اہل اسلام انہی مقربین خاص اور معتمدین با اختصاص کو انبیاء، رسول اور پیغمبر کہتے ہیں جن کو حق جل شانہ، اپنی خاص ہدایات اور احکام دے کر مبعوث فرماتا ہے کہ وہ اللہ کے احکام اور پیغام بندوں تک پہنچادیں اور پھر علماء اور فقہاء ان کے احکام کی مزید تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنتے ہیں۔

۱۹۰ نبی کی علامات: جب یہ معلوم ہو گیا کہ حضرات انبیاء کرام حق جل شانہٗ کے مقرب، خاص اور معتمد با اختصاص ہیں اور اس کے خلیفہ اور نائب ہیں تو جس طرح سلاطین دنیا کے تقرب اور اختصاص کے لئے خاص خاص صفات اور خاص خاص کمالات کا مقرب میں پایا جانا ضروری ہے تو خداوند عالم اور شہنشاہ اعظم کے تقرب کے لئے اس سے کہیں زائد صفات اور کمالات کا ہونا ضروری ہوگا، سلاطین دنیا باوجود اس فانی اور مجازی حکومت کے اپنی مسند قرب پر ان لوگوں کو قدم رکھنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے جو (۱) بے عقل (۲) اور کج خلق اور پست حوصلہ (۳) اور بادشاہ اور اس کی حکومت کے دشمن ہوں تو خداوند عالم کب اپنی وزارت اور خلافت کے لئے ایسے اشخاص کو منتخب کر سکتا ہے کہ جن کی عقلی قوتیں کمزور ہوں، ان کی اخلاقی حالت پست ہو اور ان کی وفاداری اور اطاعت شعاری مخدوش یا مشکوک ہو۔

۱۹۱: اسی طرح نبوت کو سمجھئے کہ اس کا مدار تین کمالوں پر ہے۔ انبیاء کے

لئے سب سے اوّل یہ ضروری ہے کہ وہ کمال عقل اور کمال فہم کے ساتھ موصوف ہوں، کیونکہ کلام خداوندی کے اسرار و رموز کو سمجھنا اور اس کے احکام کی دقیق اور باریک علتوں پر مطلع ہونا اور پھر دوسروں کو ٹھیک ٹھاک اس کو سمجھانا بدون عقل سلیم اور فہم مستقیم کے ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں کم فہمی اور بدفہمی خود ایک عیب ہے، جس سے بارگاہ نبوت کا پاک اور منزہ ہونا ضروری ہے۔

دوم یہ کہ اخلاق حمیدہ جو اعمال حسنہ کی جڑ ہیں۔ نبی کی ذات میں فطری طور پر راسخ ہوں تاکہ جو کام بھی وہ کریں وہ قابل اقتدا ہو اور جو فعل بھی ان سے سرزد ہو وہ باعث ہدایت ہو۔

اعمال کا دارومدار اخلاق پر ہے جیسے اخلاق اور ملکات ہوں گے، اسی کے مناسب افعال سرزد ہوں گے، سخی سے جود و کرم ظہور میں آتا ہے اور بخیل سے اعراض و پہلوتہی وعلیٰ ہٰذا۔

سوم یہ کہ نبی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خداوند ذوالجلال کا سراپا اطاعت ہو اور اس کا ظاہر اور باطن حق تعالیٰ کا اس درجہ مطیع ہو کہ ذرہ برابر اس میں نافرمانی کی گنجائش ہی نہ ہو، اسی کا نام عصمت ہے۔

۱۹۲ : بادشاہان دنیا بھی اسی کو اپنا مقرب اور وزیر اور سفیر بناتے ہیں کہ جو ان کا مطیع اور فرماں بردار ہو، لیکن شاہان دنیا کبھی موافق اور مخالف اور مطیع اور عاصی اور مخلص اور مکّار کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ اس لئے بعد میں اس کو وزارت سے معزول کر دیتے ہیں، مگر خداوند علیم وخبیر پر سب کا ظاہر و باطن آشکارا ہے اور ان کے علم میں غلطی کا امکان نہیں، اس لئے انبیاء کرام منصب نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتے اس لئے کہ حق تعالیٰ اسی شخص کو اپنا نبی اور مقرب بناتے ہیں کہ جس کو اپنے علم ازلی سے یہ جانتے ہیں کہ یہ

شخص ہمیشہ ہمیشہ ظاہر و باطن میں ہمارا مطیع اور فرماں بردار رہے گا۔

۱۹۳ دلائل نبوت : غرض یہ کہ یہ تین امور نبوت کا دار و مدار ہیں (۱) عقل کامل (۲) اخلاق حمیدہ (۳) عصمت کاملہ اور چوتھی چیز شریعت ہے جو نبی کو عطا کی جاتی ہے۔ شریعت علم نبوت ہے اور پانچویں چیز جو حضرات انبیاء کرام کو عطا کی جاتی ہے وہ معجزات ہیں جو بمنزلہ سند اور دستاویز کے ہوتے ہیں اور دعویٔ نبوت کے لئے دلیل اور برہان ہوتے ہیں، اسی وجہ سے قرآن کریم نے جا بجا معجزات کو آیات بینات اور حجۃ اور برہان کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

معجزہ اس خارق عادت امر کو کہتے ہیں کہ جو بلا سبب ظاہری مدعی نبوت کے ہاتھ پر محض من جانب اللہ ظاہر ہو اور مخالف اس کا مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہو۔ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ محض اللہ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ معجزہ کو دیکھتے ہی نبی کی صداقت اور سچائی کا ایسا یقین ہوتا ہے کہ نفس کو انکار کی طاقت اور مجال نہیں رہتی، معجزہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر ایک نمونہ ہوتا ہے جس کے غلبہ اور رعب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے اور نزاع اور جدال کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں اور دیکھنے والا بالبداہت یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ شخص مؤید من اللہ ہے۔ پس اگر کوئی بدنصیب معجزہ دیکھنے کے بعد بھی اپنے کفر پر جما رہے تو یہ اس کا کھلا ہوا عناد اور ہٹ دھرمی ہے اور اس کے ازلی بدنصیب ہونے کی علامت ہے۔

۱۹۴ آمدم بر سر مطلب : نبوت و رسالت کے اس معیار کو سمجھ لینے کے بعد آنحضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا ثبوت نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ اب سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی عقل کامل پر غور کرنا چاہیئے (۱) دیکھا تو سب سے اوّل اور افضل اور اکمل پایا، عقل اور فہم میں اولیت اور افضلیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو گی کہ آپ بذات خود اُمّی تھے یعنی اَن پڑھ تھے، کسی سے ایک حرف نہ پڑھا اور نہ سیکھا اور جس ملک میں پیدا ہوئے اور جہاں ہوش سنبھالا اور عمر گزاری۔ وہ یکلخت علوم سے خالی تھا نہ علوم دینی کا پتہ تھا نہ علوم دنیوی کا نشان نہ کوئی آسمانی کتاب نہ کوئی زمینی، پورا ملک جہالتوں میں غرق تھا، اوّل سے آخر تک کہیں علم کا نام ونشان نہ تھا ایسے ملک میں ایک اُمّی شخص ظاہر ہوا اور اس نے ان پر ایسا کامل دین اور ایسا آئین، ایسی لاجواب کتاب اور ایسی ہدایات بینات پیش کیں، جس نے عرب کے جاہلوں کو چند ہی روز میں علم الٰہیات، علم عبادات، علم اخلاق، علم معاملات، علم معاش اور علم معاد میں رشک ارسطو وافلاطون بنا دیا اور وہی اونٹ چرانے والے جاہل علم وتہذیب میں رشک حکماء بن گئے، اور سلسلۂ علم وحکمت کا چلا جس میں ہزاروں غزالی اور رازی جیسے پیدا ہوئے اور قسم قسم کے علوم ایجاد کئے اور طویل کتابیں تصنیف کیں جو ان کے کمال علمی پر شاہد عادل ہیں۔ پس جس قوم کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ افراد کا یہ حال ہے تو ان کے استاد اوّل اور معلم اول کا کیا حال ہوگا۔ شاگردوں کا کمال استاد کے کمال کی دلیل ہے اور صحابہ کرام اور تابعین سے قسم قسم کے کمالات کا ظہور اس کی دلیل ہے کہ یہ تمام کمالات اسی اجمال کی تفصیل ہیں کہ جو علوم ومعارف ذات محمدی میں تھے، پھر یہ کہ آپ نے سینکڑوں پیشین گوئیاں کیں جو اپنے وقت پر ہوبہو پوری ہوئیں۔ ایک اُمّی شخص کا اس قسم کی خبریں دینا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حضور پرنور کا خدائے عالم الغیب سے خاص تعلق ہے، اسی کی تعلیم اور تلقین سے حضور کو ان چیزوں کا علم ہوا اور اخلاق کی یہ کیفیت تھی۔

کہ آپ نہ کہیں کے بادشاہ تھے اور نہ بادشاہ زادے، نہ امیر نہ امیر زادے اور نہ کوئی دولت و ثروت آپ کے ہاتھ میں تھی، ایسے افلاس اور غربت میں ملک عرب کے گردن کشوں کو ایسا مسخر کیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو تیار ہوں۔ پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دو روز کا ولولہ تھا آیا اور نکل گیا۔ ساری عمر اسی کیفیت میں گزاری، یہاں تک کہ انہی گردن کشوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی، گھر بار چھوڑا، زن و فرزند چھوڑے، مال و دولت چھوڑا، آپ کی محبت میں سب پر خاک ڈالی اور آپ کے لئے ساری دنیا سے آمادۂ جنگ و پیکار ہو گئے کسی کو آپ مارا اور کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے۔ یہ تسخیر اخلاق نہ تھی تو اور کیا تھی۔ کیا یہ زور اور غلبہ آپ نے بزور زر حاصل کیا یا بزور شمشیر حاصل کیا۔ ایسے اخلاق کوئی بتائے تو سہی کہ کہاں تھے اور کس میں تھے اور کب تھے!

۱۹۵۔ عصمت اور نزاہت کی یہ کیفیت تھی کہ شب و روز عبادت میں گزرتا۔ گھر میں دو دو مہینہ چولہا گرم نہ ہوتا تھا، سوائے پانی اور کھجور کے گزارا نہ تھا، مگر بایں ہمہ فقر و فاقہ نماز اور روزہ اور شب بیداری اور امت کی تعلیم و تلقین اور تزکیہ اور تربیت میں ذرہ برابر کمی نہ تھی، آپ کا ورع اور تقویٰ اور آپ کی امانت اور دیانت آپ کے دشمنوں میں ضرب المثل تھی۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ آپ نے جو دین اور شریعت دنیا کے سامنے پیش کی وہ ایسی کامل اور مکمل اور معقول اور مدلل ہے کہ جس کو دیکھ کر دنیا حیران ہے آپ نے جو دین و شریعت اور جو لاجواب کتاب دنیا کے سامنے پیش کی، وہ عبادات اور معاملات اور اخلاق اور تمدن اور حکمرانی اور جہاں بانی کے اصول اور قواعد کو ایسی جامع اور حاوی ہے کہ آج تک دنیا کے بڑے بڑے حکماء اور مقننین قرآن اور حدیث جیسے قوانین اور آئین دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکے۔

معلوم ہوا کہ یہ انسانی طاقت کا ساختہ اور پرواختہ نہ تھا بلکہ وحی آسمانی اور تعلیم ربانی تھی
۱۹۶ (۵) پانچویں چیز جو حضور پرنور کو عطا کی گئی وہ معجزات ظاہرہ اور آیات باہرہ ہیں جو روایات صحیحہ اور معتبرہ اور مشہورہ اور متواترہ سے ثابت ہیں۔ یہ معجزات آپ کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین ہیں۔ ہر ایک نبی کو جو معجزات دیئے گئے وہ ایک جنس یا دو جنس کے ساتھ خاص تھے اور حضور کے معجزات ہر جنس اور ہر نوع سے تھے اور اتنے کثیر تھے کہ اولوالعزم اور مشہور پیغمبروں کے جس قدر بھی معجزات بیان کئے گئے ہیں، ان کی مجموعی تعداد سے تنہا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد زیادہ ہے۔
۱۹۷۔ اور جس طرح وہ تمام کمالات جو تمام انبیاء سابقین کے ذوات مقدسہ میں پائے جاتے تھے، وہ تمام کمالات حضورؐ کی ذات میں جمع تھے۔ اسی طرح معجزات کی وہ تمام انواع و اقسام جو انبیاء سابقین کو دی گئیں، حضور پرنور کے معجزات میں سب جمع تھیں۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اثبات رسالت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیۃ بطریق دیگر

۱۹۸۔ آپ کی رسالت دس وجوہ سے ثابت ہے (پہلی وجہ) یہ ہے کہ آپ نے بہت سی پیشین گوئیاں کی ہیں کہ جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔ صدہا تو پوری ہوگئیں اور بعض جو آخری زمانہ کے متعلق تھیں وہ پوری ہوجاتی ہیں۔ بعض پیشین گوئیاں قرآن کریم میں مذکور ہیں اور بعض احادیث صحیحہ میں۔
۱۹۹ (۲) حضور پرنور سے صدہا بلکہ ہزارہا معجزات صادر و ظاہر ہوئے اور جس طرح یہود اور نصاریٰ کے نزدیک حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی

نبوت معجزات سے ثابت ہوئی، اسی طرح معجزات سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہوئی۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے ایک جاہل اور وحشی قوم کو جو علوم عقلیہ و نقلیہ سے بالکل بے بہرہ تھی علم و حکمت میں اس کو چند روز میں رشک حکماء عالم بنا دیا اور سیاست و تدبر میں فاتح قیصر و کسریٰ بنا دیا۔ جس کی کسی بڑے سے بڑے دشمن کو بھی مجال انکار نہیں۔

۲۰۱ (۴) اہل کتاب باوجود اس کے کہ وہ اپنی کتب مقدسہ میں گڑبڑ کے قائل تھے۔ پھر بھی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں اور بشارتیں پاتے تھے اور ان کو دیکھ کر حضور پُر نور پر ایمان لاتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰ و عیسیٰ نے بشارت دی تھی۔ نصاریٰ نے انجیلی بشارتوں میں بہت کچھ تاویلیں کیں۔ مگر انجیل برنا باس اس درجہ صریح ہے کہ اس میں کسی طرح تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ملی۔

۲۰۲ (۵) حضور پر نور بالکل اُمّی تھے، نہ کسی سے کچھ علم پڑھا اور نہ کسی عالم کی صحبت بے مثال اٹھائی۔ چالیس برس اسی طرح گزر گئے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ایک بے مثال کتاب یعنی قرآن کریم دنیا کے سامنے پیش کی، اور یہ کہا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اگر تم کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں کچھ شبہ ہے تو تم بھی اس کے مثل ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ مگر عالم کے فصحاء اور بلغاء اس کے مثل لانے سے عاجز رہے اور اس کے ساتھ اپنے ارشادات اور ملفوظات اور کلمات طیبہ کا ایک مجموعہ دنیا کے سامنے پیش کیا، جس کو شریعت محمدیہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو عقائد حقہ اور صحیحہ اور اخلاق فاضلہ اور عبادات معاشرات، معاملات اور سیاسیات ملکیہ اور مدینہ کا وہ عجیب و غریب ذخیرہ

ہے کہ دنیا کی متمدن اور مہذب قومیں اس کی گرد کو نہیں پہنچتیں۔

۲۰۳ (۶) بہت سے حالات اور صفات حضور پُرنور کے بدن مبارک میں ایسے موجود تھے کہ ان سب کا ایک ذات میں اکٹھا پایا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ذات کاملۃ الصفات اور فاضلۃ الحالات بارگاہ خداوندی میں نہایت ہی مقرب اور مورد الطاف وعنایات ہے۔

(۱) مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا سایہ نہ تھا (رواہ الحکیم الترمذی عن ذکوان مرسلاً ورواہ ابن المبارک وابن الجوزی عن ابن عباس موصولا زرقانی شرح مواہب ص ۲۲۰ ج ۴ وخصائص الکبریٰ ص ۶۸ ج ۱)

(۲) اور یہ کہ آپ کے بدن مبارک پر مکھی نہ بیٹھتی تھی اور آپ کو مچھر نہیں کاٹتا تھا (خصائص الکبریٰ ص ۶۸ ج ۱)

(۳) اور یہ کہ آپ کے کپڑوں میں جوں نہیں پڑتی تھی۔

(۴) اور یہ کہ آپ مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے (اخرجہ الطبرانی وابو نعیم وغیرہما خصائص ص ۵۳ ج ۱)

(۵) اور یہ کہ سوتے وقت آپ کا دل بیدار رہتا تھا اور سونے کی حالت میں وہی ادراک باقی رہتا تھا کہ جو بیداری کے وقت میں تھا (رواہ البخاری ومسلم)

(۶) آپ پیچھے سے ویسا ہی دیکھتے جیسا کہ آگے سے (رواہ البخاری ومسلم)

(۷) اور یہ کہ آپ کو کبھی احتلام نہیں ہوا (کما اخرج الطبرانی عن ابن عباس احتلم نبی قط وانما الاحتلام من الشیطان۔ خصائص الکبریٰ ص ۷ ج ۱)

(۸) اور یہ کہ آپ کا پیشاب یا پاخانہ جب زمین پر گرتا تو زمین اس کو نگل جاتی، اور کسی نے زمین پر آپ کا پیشاب اور پاخانہ نہیں دیکھا اور اس جگہ سے مُشک کی بُو آتی تھی۔ (اس روایت کو بیہقی اور دارقطنی اور حکیم ترمذی اور حاکم وغیرہم نے

رعایت کیا ہے، تفصیل کے لئے زرقانی شرح مواہب از ص ۲۲۷/۴ تا ص ۲۳۳/۴ ملاحظہ کریں۔ نیز شرح شفا للعلامۃ القاری از ص ۱۵۹/۱ تا ص ۲۵/۱ دیکھیں۔

(۹) اور یہ کہ آپ کو کبھی جمائی نہیں آئی (خصائص الکبریٰ ص ۶۵/۱) اور نہ آپ نے کبھی قہقہہ لگایا (زرقانی ص ۱۷۹/۴ تا ص ۱۸۲/۴)

(۱۰) جب آپ کسی مجمع میں ہوتے تو اگرچہ اس مجمع میں کتنے ہی قد آور موجود ہوں۔ مگر حضور پرنور ہی سب سے زیادہ بلند نظر آتے (خصائص کبریٰ ص ۶۹/۱)

(تلک عشرۃ کاملہ)

ظاہر ہے کہ جس ذات بابرکات میں یہ صفات موجود ہوں گی، دیکھنے والا بالبداہت اس امر کے یقین پر مجبور ہوگا کہ یہ ذات ستودہ صفات خداوند ذوالجلال کی پسندیدہ اور برگزیدہ ذات ہے، جس کو خدا تعالیٰ نے اس خاص شان پر اور خاص صفت پر پیدا کیا ہے، صورت اگرچہ بشری ہے مگر فطرت اور مزاج اور طبیعت ملکی ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کی پیدائش اہل جنت کے ارواح کی صفت پر ہوتی ہے۔

۲۰۴ (۷) آپ کا مستجاب الدعوات ہونا ہے، جس شخص کی نسبت آپ کی زبان مبارک سے کوئی کلمۂ دعا یا بددعا کا نکل گیا وہ بالکل ویسے ہی ہو کر رہا۔ جس میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ دشمن جب کبھی آپ کی زبان سے کوئی کلمۂ بددعا سُن لیتے تو گھبرا اُٹھتے اور یقین کر لیتے کہ اب ایسا ہی ہو کر رہے گا۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس قسم کے معجزات کے لئے خصائص الکبریٰ میں ایک مستقل باب لکھا ہے، اس کو دیکھ لیا جائے۔

۲۰۵ (۸) بہت سے کاہنوں وغیرہ کو جنگلوں اور بیابانوں سے ایسی آوازیں سنائی دیں۔ یہ ایک نبی برحق مبعوث ہوئے ہیں، انہی کی متابعت میں نجات ہے۔

۲۰۶ (۹) شجر اور حجر سے ایسی آوازیں سنائی دیں کہ جن میں آپ کی نبوت کی گواہی اور آپ پر سلام تھا اور ایک بار حضور پر نور نے درخت کو بلایا تو حسب الحکم حاضر ہو گیا اور جب واپسی کا حکم دیا تو واپس ہو گیا۔

۲۰۷ (۱۰) بارہا حیوانات نے آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ غیبی آوازوں اور شجر و حجر اور حیوانات کی گواہی کے واقعات شیخ جلال الدین سیوطی کے خصائص الکبریٰ میں مفصل مذکور ہیں وہاں دیکھ لئے جائیں۔

۲۰۸: **علامات نبوت:** علماء بنی اسرائیل میں یہ بات مسلّم تھی کہ آخر زمانہ میں ایک نبی ظاہر ہوگا کہ جس کا دین تمام ادیان سے بہتر ہوگا اور اس کی شریعت جملہ شرائع کی ناسخ ہوگی۔ یہ تمام باتیں آپ کے دعوے کی حجت تھیں اور اہل کتاب کو اس کا بخوبی علم تھا اور آپ کے ظہور سے پہلے ان اشارات کو نقل کرتے تھے مگر آپ کے ظہور کے بعد آپ کے دشمن ہو گئے، حالانکہ پہلے سے یہ گواہی دیا کرتے تھے کہ مکہ سے نبی آخر الزمان کے ظہور کا زمانہ قریب آگیا ہے۔

۲۰۹- اور اسی طرح آپ کے ایام ولادت کے قریب زمانہ میں عجیب و غریب نشانات ظاہر ہوئے جیسا کہ ابابیل کی کنکریوں سے اصحابِ فیل کا ہلاک ہونا اور بتوں کا اوندھے منہ زمین پر گرنا اور بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہو جانا اور ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گر جانا اور کاہنوں کا اس امر پر اتفاق کرنا کہ عنقریب اس عالم میں کوئی عظیم واقعہ ظہور پذیر ہونے والا ہے اور جنات کا آسمانی خبروں سے روک دیا جانا وغیرہ وغیرہ اور جو معجزات آپ سے بعد دعوائے نبوت ظاہر ہوئے وہ حد احصیاء اور شمار سے باہر ہیں، مثلاً شق قمر اور سلام شجر و حجر اور سنگریزوں کا آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنا اور انگشتانِ مبارک سے پانی کا جاری ہو جانا اور ایک لشکر کا اس سے سیراب ہو

جانا اور ستون حنانہ کا رونا اور تمام حاضرین جمعہ کا اس کے رونے کو سننا اور قلیل طعام کا آپ کی دعا کی برکت سے ایک لشکر کو کافی ہو جانا اور ایک قسم معجزات کی یہ ہے کہ آنحضرت نے زمانہ آئندہ کی خبریں دیں کہ فلاں وقت ایسا کام ہو گا اور وہ ویسا ہی ہوا۔ جیسے آپ نے مکہ اور یمن اور شام اور عراق کی فتح کی خبر دی اور اسی ترتیب سے مقامات مذکورہ فتح ہوئے۔

معجزۂ قرآن

۲۱۰۔ حضور پر نور کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن شریف کا ہے جو اللہ جل شانہ' کا کلام قدیم ہے اور اس کی صفت قدیمہ ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

دیگر حضرات انبیاء کرام کے معجزات گزر گئے، مگر آنحضرت کا یہ معجزہ یعنی قرآن ہنوز اسی طرح باقی ہے گویا دنیا ہر وقت آپ کے معجزہ اور آپ کی نبوت کا مشاہدہ کر رہی ہے۔

۲۱۱۔ قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے دعویٰ کیا کہ اگر تم کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے اور تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی اس کے مثل اور مانند ایک چھوٹی سی سورت بنا لاؤ مگر اس زمانہ سے لے کر آج تک کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔ حالانکہ قرآن کے کلمات اور الفاظ اور حروف سب وہی ہیں، جس کو عرب کے چھوٹے اور بڑے سب جانتے تھے اور بولتے تھے مگر اس کی مثل لانے سے عاجز رہے، جس طرح اصلی گلاب کے پھول اور کاغذی گلاب کے پھول ہیں۔ یہی فرق ہے کہ اصلی گلاب کی مانند کوئی نہیں بنا سکتا اور کاغذی کے کے مانند بنا سکتا ہے۔ اسی طرح کلام یزدانی اور کلام

انسانی میں بھی یہی فرق ہے کہ کلام خداوندی کے مثل کوئی نہیں لا سکتا۔ قدرتی اور مصنوعی چیزوں کا فرق سب کو معلوم ہے، قدرتی چیز وہ کہلاتی ہے کہ جو محض خدا تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوا اور اس کا بنانا تمام مخلوق کی قدرت سے باہر ہو۔ جیسے آسمان اور زمین اور شمس وقمر اور کواکب ونجوم کا پیدا کرنا اور دن اور رات کا لانا یہ سب اللہ کے فعل ہیں۔ فقط اللہ ہی کی قدرت سے ظاہر ہوتے ہیں اور بندہ کی قدرت سے باہر ہیں اور ساری مخلوق اس کی مثل لانے سے عاجز ہے اور مصنوعی چیز وہ ہے جو بندہ کی بنائی ہوئی ہو اور دوسرا بندہ بھی اس جیسی چیز بنانے پر قادر ہو جیسے مکان بنانا یہ بندہ کا فعل ہے اور زمین اور آسمان کا پیدا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے اولاً نمرود کے مقابلہ میں وجود باری تعالیٰ پر اسی طرح استدلال کیا ربی الذی یحیی ویمیت[۱] (میرا رب زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے) اور جب نمرود نے اس پر ایک احمقانہ سوال کیا تو یہ فرمایا ان اللہ یأتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر[۲] یعنی میرا رب آفتاب مشرق سے نکالتا ہے تم بھی اگر رب ہو اور خدا کے مقابلہ کی طاقت رکھتے ہو تو آفتاب کو بجائے مشرق کے مغرب سے نکال کر دکھلاؤ، یہ استدلال سُن کر کافر مبہوت اور حیران رہ گیا۔ حضرت ابراہیم کے استدلال کا حاصل یہ تھا کہ قدرتی کام اور فعل خداوندی کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

۲۱۲۔ پس جس طرح خدا کے فعل اور مخلوق کے فعل میں یہ فرق ہے کہ خدائی کام کرنے سے ساری مخلوق عاجز ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح کلام خداوندی اور کلام انسانی میں یہ فرق ہے کہ کلام خداوندی وہ ہے کہ ساری دنیا اس جیسا

(۱) القرآن: ۲ (بقرہ) ۲۵۸ (۲) القرآن: ۲ (بقرہ) ۲۵۸

کلام بنانے سے عاجز اور درماندہ ہو۔

قرآنِ کریم دلیل نبوت کس طرح بنا؟

۲۱۳۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ ظاہر اور مسلّم ہے کہ یہ قرآن اور یہ کلامِ خداوندی سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تو ثابت ہو گیا کہ حضور پُر نور اللہ کے رسول برحق ہیں، اس لئے کہ جس پر اللہ کا کلام اور اس کی کتاب اور اس کا پیغام اترے وہ بلاشبہ اللہ کا نبی اور رسول ہے۔

۲۱۴۔ اور عجیب بات ہے کہ قرآن کریم، علم نبوت بھی ہے اور دلیل نبوّت بھی ہے۔ یہی دعویٰ نبوت ہے اور یہی دلیل نبوت ہے، جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور دعوت حق کے لئے مامور فرمایا تو حجت دعویٰ کے لئے بطور حجت ان کو معجزہ عطا فرمایا۔ گویا کہ دعوت اور حجّت دونوں کو جمع کر دیا گیا۔ قرآن کریم باعتبار معنی کے دعوت ہے اور فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے اور دلیل نبوت اور حجت دعوت بھی ہے۔ یہ قرآن کریم کی خصوصیت ہے کہ اس میں دعوت اور حجّت اور دعویٰ اور دلیل دونوں جمع ہیں اور یہ دونوں باتیں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔ اور اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال علم و فہم اور اخلاق حسنہ اور پاکیزہ خصلتوں اور پسندیدہ عادتوں اور آپ کی طہارت و نزاہت میں ذرا غور کرو تو یقین کامل ہو جائے کہ حضور پُر نور کا وجود ہی سر سے پیر تک ایک مستقل معجزہ اور قدرتِ خداوندی کی ایک نشانی ہے۔

کیونکہ ایک اُمّی شخص کا بغیر کسی سے تعلیم و تربیت حاصل کئے ایسا منبع علم و حکمت اور معدن اخلاق اور پیکر اعمال فاضلہ بن جانا کہ جو صدیوں کی تہذیب و تربیت کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکے کہ پس یہ علم و حکمت اور یہ امانت و دیانت

اور یہ زہد تقویٰ اور یہ بے مثال عبادت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ سب کچھ تعلیم ربانی اور تربیت یزدانی کا کرشمہ ہے۔ اس لئے آپ کی ذات بابرکات کو جو سرچشمۂ کمالات وخیرات تھی یہ خود ایک مستقل معجزہ تھا اور قرآن کریم حضور پُرنور کا علمی معجزہ تھا اور شق قمر اور سلام شجر وحجر اور انگشتان مبارک سے چشمہ کا جاری ہو جانا وغیرہ وغیرہ، یہ آپ کے عملی معجزات تھے۔

عقیدۂ وجود ملائکہ

۲۱۵- اب ہم بحث نبوت کو ختم کرتے ہیں اور بطور تتمہ اور تکملہ عقیدہ وجود ملائکہ کو مختصراً بیان کرتے ہیں، اس لئے کہ نبوت ورسالت کا دارومدار وحی پر ہے اور وحی کا نزول فرشتہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً ملائکہ کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے۔ سو جاننا چاہیئے کہ ملائکہ پر ایمان لانا اسلام کے اصولی عقائد میں سے ہے۔ قرآن کریم میں جابجا ایمان باللہ کے بعد ایمان بالملائکہ کو ذکر فرمایا ہے۔

۲۱۶- جمہور اہل اسلام کے نزدیک فرشتہ ایک ایسے جسم لطیف یا جسم نورانی کا نام ہے کہ جو نہ مرد ہے اور نہ عورت اور افعال قویہ پر قادر ہے اور ہر صورت میں ظاہر اور نمودار ہو سکتا ہے اور کھانے اور پینے سے جو عوارض پیدا ہوتے ہیں مثلاً بھوک اور پیاس اور پیشاب اور پاخانہ اور توالد وتناسل ان سے بھی پاک ہوتے ہیں، ہر وقت اللہ کی عبادت اور تسبیح میں مصروف رہتے ہیں کسی وقت تھکتے نہیں۔ یسجون لہ باللیل والنھار وھم لا یسأمون[1] اور کسی حکم میں ذرہ برابر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ لایعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون[2]

---

(۱) القرآن: ۴۱ (فصلت) ۳۸

(۲) القرآن: ۶۶ (تحریم) ۶

اثبات وجود ملائکہ

۲۱۷۔ فرشتوں کا وجود عقلاً اور نقلاً دونوں طرح ثابت ہے۔ عقلی دلیل تو یہ ہے کہ کائنات کے نزولی اور عروجی مدارج میں غور کرنے سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات کی ایک خاص نوع باقی ہے جو ہمارے مشاہدہ میں نہیں آئی۔

۲۱۸۔ کائنات کا ادنیٰ ترین مرتبہ جمادات ہیں اور پھر نباتات اور پھر حیوانات اور پھر انسان اس لئے کہ انسان ان تمام کائنات سے شعور اور ادراک میں بڑھا ہوا ہے جو ایک امر لطیف ہے، اسی لطافت علمی کی وجہ سے تمام کائنات پر فرمانروائی کر رہا ہے مگر عقل کہتی ہے کہ ہنوز اس کے قوائے ادراکیہ اور علمیہ محدود ہیں لہٰذا ایک مخلوق اور ہونی چاہیئے کہ جو دائرہ امکان میں علم اور ادراک کا منتہی ہو۔ وہ مخلوق فرشتوں کی ہے کہ جن کی غذا تسبیح و تہلیل ہے۔

۲۱۹۔ اور بعض مرتبہ یہ انسان ضعیف البنیان جب فرشتوں جیسی اطاعت اور فرمانبرداری اور راہ مولیٰ میں جان نثاری دکھلاتا ہے تو اس کو بھی من جانب اللہ زمرۂ ملائکہ میں داخل کر لیا جاتا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں نے جعفر بن ابی طالب کو دیکھا کہ وہ دو پروں کے ساتھ فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں اور قرآن کریم کی اس آیت فادخلی فی عبادی میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ڈارون کے نزدیک اگر انسان ترقی کر کے بندر سے انسانیت پر پہنچ سکتا ہے تو انسانیت سے ترقی کر کے ملکیت تک کیوں نہیں پہنچ سکتا جو ارتقاء کی آخری منزل ہے۔

۲۲۰۔ **دلیل نقلی:** نقلی دلیل حضرات انبیاء کرام کا مشاہدہ اور اولیاء کرام کا مکاشفہ ہے کہ انہوں نے اپنے مشاہدہ اور مکاشفہ میں اس نورانی مخلوق کو دیکھا ہے۔

۲۲۱ - اور راست بازوں اور پاکبازوں کا کسی چیز کے متعلق اپنا مشاہدہ اور مکاشفہ بیان کرنا یہ اس امر کے وجود کے لئے قطعی دلیل ہے اور کسی چیز کا محض مشاہدہ نہ ہونے کی بناء پر انکار یا نفی باجماع عقلاً قطعاً غلط اور مہمل ہے۔ عدالت میں بینا کا بیان اور شہادت معتبر ہے اور نابینا کا انکار قابل سماعت نہیں۔

وجود ملائکہ پر فلاسفہ کے شبہات اور انکے جوابات

۲۲۲ - فلاسفۂ حال۔ چونکہ وجود ملائکہ کے قائل نہیں، اس لئے ہم ان کے شبہات مع جوابات کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

۲۲۳ - پہلا شبہ: فرشتوں کے متعلق فلاسفہ کا ایک شبہ یہ ہے کہ اگر موجود ہیں تو ہم کو نظر کیوں نہیں آتے؟

۲۲۴ - جواب: فرشتے بوجہ لطافت کے نظر نہیں آتے۔ ایک شیشہ میں صاف و شفاف ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے، مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔ نظر نہ آنے کی وجہ سے کیا کوئی فلسفی ہوا کا انکار کر سکتا ہے؟

۲۲۵ - فلاسفۂ حال اس بات کے قائل ہیں کہ یہ تمام عالم ایک غیر محسوس مادہ سے بھرا پڑا ہے، جس کو ایتھر کہتے ہیں، فلاسفہ کے نزدیک ایتھر موجود ہے مگر نظر نہیں آتا۔

نیز بہت سے اجسام ہوائی ایسے ہیں کہ جو آلات کے ذریعہ محسوس ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ امر ممکن ہے کہ کوئی چیز واقع میں موجود ہو مگر ہم آلات نہ ہونے کی وجہ سے اس چیز کو نہ دیکھ سکیں۔

۲۲۶ - کھانے میں اگر سنکھیا اور زہر ملا دیا جائے تو بسا اوقات وہ اتنا قلیل ہوتا ہے کہ انسان اس زہر کو نہ قوت باصرہ سے محسوس کرتا ہے، اور نہ قوت شامہ سے مگر بندر اس کو سونگھ کر پہچان لیتا ہے، بنولا تو دیکھ

کر ہی پہچان لیتا ہے۔

۲۲۷۔ معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کا ادراک اور احساس انسان کو تو عطا نہیں فرمایا بلکہ ایک دوسری کمتر مخلوق کو اُس کا ادراک عطا فرمایا ہے۔ تو کیا اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ادراک اور احساس صرف حضرات انبیاء کرام کو عطا کیا ہو اور عام انسانوں کو فرشتوں کے ادراک اور احساس سے محروم رکھا ہو۔

بلکہ

۲۲۸۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جانوروں کو یہ احساس دیا گیا ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر بولتا ہے۔

شہد کی مکھی کبھی راستہ نہیں بھولتی، یہ قوت حافظہ انسان کو نہیں دی گئی۔

چیونٹی سوراخ کی گہرائیوں میں سے مٹھائی کی خوشبو محسوس کر لیتی ہے۔

یہ اس کی قوت شامہ ہے جو انسان کو نہیں دی گئی۔

بندر اور بہت سے حشرات الارض اندھیرے اور اجالے میں یکساں دیکھتے ہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ ہزاروں میل کی آوازیں سنائی دیتی ہیں جو بغیر ریڈیو کے نہیں سنائی دے سکتیں، اب جس شخص کے پاس ریڈیو نہ ہو اور وہ ہزاروں میل کی آواز سنائی دینے کا انکار کرے تو فلاسفہ حال بتلائیں تو اس انکار کا کیا حکم ہے؟

۲۲۹۔ دوسرا شبہ: فرشتے ایسے قومی تصرفات پر کیسے قادر ہوئے جن کا ذکر قرآن اور حدیث میں آتا ہے، جیسے کسی فرشتہ یا جن کا طرفۃ العین

(پلک جھپکنے) میں تخت بلقیس کو سلیمان علیہ السلام کے سامنے لاکر رکھ دینا یا
فرشتوں کا آسمان سے زمین پر اترنا اور پھر ان کا واپس ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

۲۳۰۔ جواب: فرشتے غایت درجہ لطیف اور نورانی ہیں اور لطیف اور نورانی
شئ کی تاثیر بھی نہایت قوی ہوتی ہے۔ آگ اور بھاپ اور بجلی اور پانی کی طاقتوں
کا حال دنیا کی نظروں کے سامنے ہے جس کا انکار کسی کو ممکن نہیں، اور اس کے
مقابلہ میں عنصر خاکی کو لے لیجئے جس کی ان عناصر کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔
آپ ہی تبلائیں کہ ان عناصر میں سوائے لطافت اور کثافت کے کیا فرق ہے
بجلی کے کرشمے آج دنیا کے سامنے ہیں۔ پس قوم ثمود کا فرشتہ کے چیخ مارنے
سے کلیجے پھٹ کر مر جانا کیوں ناممکن سمجھتے ہو۔

۲۳۱۔ بارود کو دیکھئے کہ ظاہر میں کچھ نہیں مگر ذرا آگ لگے تو اتنی قوت آجاتی
ہے کہ پہاڑوں کو بھی اڑا کر رکھ دیتی ہے۔ بھاپ اپنی لطافت کی وجہ سے ایک
پوری ٹرین کو صدہا اور ہزارہا میل کھینچ کر لے جاتی ہے۔

۲۳۲۔ اور بجلی کی قوت سے جرّ ثقیل کے آلات بڑے بڑے جہازوں کو
اوپر اٹھا لیتے ہیں تو اگر کوئی خدا کا فرشتہ خداداد قوت سے قوم لوط کی بستیوں کو
اٹھا کر اوپر لے جائے اور الٹا کر دے تو کیوں انکار کرتے ہو۔ اور خدا کا کوئی
فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا کر لے جائے تو اس
کو کیوں محال سمجھتے ہو؟

۲۳۳۔ تیسرا شبہ: فرشتوں کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آیات
اور احادیث سے ثابت ہے اور عقلاً شئ واحد کا مختلف اشکال کے ساتھ متشکل ہونا غیر معقول ہے

۲۳۴۔ جواب: لطیف شئ کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آجکل بھی مشاہدہ سے
ثابت ہے۔ ایتھر کا مختلف شکلوں اور صورتوں میں نمودار ہونا اہل سائنس کے نزدیک مسلمہ ہے۔

اسلام کی تیسری اصل

قیامت اور عالمِ آخرت

۲۳۰۔ قیامت اور روز آخرت پر ایمان لانا دین اسلام کے قطعی اصول اور عقائد سے ہے حضرات انبیاء کرام نے توحید کے بعد دنیا کو روزِ آخرت سے آگاہ کیا ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ کارخانہ عالم درہم و برہم کر دیا جائے گا۔ اور مرنے اور بدنوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ ان کو زندہ کرے گا۔ اور ہر جسم کے ساتھ اس کی روح کا دوبارہ تعلق پیدا کرے گا۔ اور اس طرح سے ان کو دوبارہ زندہ کر کے سب سے پہلے ان کے اعمال کا حساب لے گا اور دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس پر باز پرس ہوگی اور اعمال کے مطابق جزاء اور سزاء ملے گی۔ اور پھر کسی کو جنت میں اور کسی کو جہنم میں داخل کرے گا۔ تمام ادیان حقہ اور مذاہب کلاً اس پر متفق ہیں۔ اور قرآن کریم میں حق جل شانہ نے بار بار خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ آخرت پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ مذہب کی ضرورت

معاد ہی کے خیال پر مبنی ہے کہ اس دنیائے فانی سے گزر جانے کے بعد کیا ہوگا۔ اور آیا اس زندگی کے بعد اور کوئی زندگی بھی ہے جن لوگوں کا یہ خیال تھا اور جن کا ہے ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحیی و ما نحن بمبعوثین[1]۔ ان کو نہ مذہب کی ضرورت ہے اور نہ قیامت اور جزاء اور سزا کی بحث میں پڑنے کی ضرورت ہے۔

دین اسلام کا عقیدہ ہے

۲۳۶۔ کہ اس موجودہ زندگی کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے اور اصل زندگی وہی ہے۔ سوجود حقیقی خداوند ذوالجلال ہے۔ اس کے دریائے قدرت اور ارادہ کی موج نے ممکنات کو پردۂ عدم سے نکال کر اس عالمِ ہستی میں پہنچایا جس کو دنیا کہتے ہیں اور جس کی حقیقت ماسوائے نمود بے بود کے کچھ نہیں۔ اور پھر ایک دن آئے گا کہ اسی دریائے ارادہ کی ایک موج سب کو فناء اور موت کے گھاٹ اتار دے گی۔ اسی کا نام قیامت ہے کہ یک بارگی تمام عالم فناء کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اور پھر بعد چندے دریائے ارادہ کی ایک تیسری موج آئے گی کہ تمام ممکنات کو عدم اور فناء کے گڑھے سے نکال کر وجود اور حیات کی سطح پر لاکر کھڑا کردے گی جو اس کی موج ارادہ کا ایک نیا کرشمہ اور نیا تماشہ ہوگا۔ و ان الیٰ ربک المنتہیٰ، کل الینا راجعون (اور تحقیق تیرے رب ہی کی طرف انتہا ہے) اسی کو اصطلاحِ شریعت میں حشر کہتے ہیں۔

منکرین حشر: فلاسفہ تو مطلقاً حشر کا انکار کرتے ہیں۔ حشر خواہ جسمانی

---

(۱) القرآن: ۲۳ (مومنون)، ۳۷

ہو یا روحانی ہر قسم کے حشر کے منکر ہیں۔

ملاحدہ اور زنادقہ جو ظاہر میں اسلام کے مدعی ہیں وہ حشر جسمانی کے منکر ہیں اور حشر روحانی کا اقرار کرتے ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ آخرت ایک عالم روحانی ہے اور جنت کی نعمتیں اور جہنم کی مصیبتیں بھی محض روحانی ہیں جسمانی نہیں اور صریح آیات اور احادیث میں طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں۔ اور جو کچھ کہتے ہیں وہ تاویل نہیں بلکہ تحریف ہے اس لئے کہ صریح اور واضح کلام میں تاویل کرنا انکار اور تمسخر کے مترادف ہے۔

فلاسفہ۔ یہ کہتے ہیں کہ انسان اس ہیکل محسوس کا نام ہے جو عناصر اربعہ اور خاص قوی اور مزاج سے مرکب ہے۔ مرنے سے یہ ہیکل محسوس فنا ہو جاتا ہے۔ اور سوائے اجزاء متفرقہ اور منتشرہ کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ لہذا کوئی چیز ایسی نہیں رہتی کہ جس کا اعادہ ہو سکے اور اس کو حشر سے تعبیر کر سکیں۔

جواب

۲۳۸ جواب یہ ہے کہ انسان اس ہیکل محسوس اور جسم خاکی کا نام نہیں بلکہ وہ ایک جوہر مجرد کا نام ہے جو علم اور ادراک اور قدرت اور اختیار کے ساتھ موصوف ہے جس کو روح سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ ہیکل محسوس اور پیکرِ جسمانی اس جوہر مجرد کا قالب اور لباس ہے۔ مرنے سے اس جوہر مجرد کا تعلق اس پیکر جسمانی سے منقطع ہو جاتا ہے لیکن وہ جوہر مجرد فنا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ایک دوسرے عالم میں چلا جاتا ہے اور یہ پیکر جسمانی اگرچہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائے۔ مگر اس جوہر مجرد کا معنوی اور مخفی طور سے اس پیکر جسمانی کے اجزاء کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے۔

پس جس طرح حق جل شانہ نے اپنے ارادہ اور اختیار سے پہلی مرتبہ اس جوہر مجرد (روح) کو بدن کے ساتھ متعلق کر کے بدن میں حیات پیدا فرمائی۔ اسی طرح

وہ اپنی قدرت اور مشیت سے ان بدنوں کے فنا اور منتشر ہو جانے کے بعد پھر ایک مرتبہ اس کے اجزاءِ منتشرہ کو جمع کرے گا اور دوبارہ ارواح کا ان بدنوں کے ساتھ تعلق قائم کر کے ان کو دوبارہ حیات زندگی عطا فرمائے گا۔

۲۳۹ کفار مکہ بھی بعثت (دوبارہ زندگی) کے منکر تھے۔ اور یہی کہتے تھے کہ آدمی مر کر فناء ہو جاتا ہے اور جب مر کر نیست و نابود ہو گیا تو دوبارہ زندگی کے کیا معنی ہے؟

وقالوا أإذا ضللنا في الأرض أإنا لفي خلق جديد بل هم بلقاء ربهم كافرون (۱) — یعنی کفار یہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر زمین میں رل مل جائیں گے اور بالکل گم اور فناء ہو جائیں گے تو کیا از سر نو ہم پیدا ہوں گے۔

حق جل شانہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

قل يتوفاكم ملك الموت الذي وكل بكم ثم إلى ربكم ترجعون۔ (۲) — آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجیے کہ موت فنا اور عدم کا نام نہیں بلکہ موت کی حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اس پیکر جسمانی میں ایک جوہر لطیف یعنی روح مستور ہے۔ ملک الموت یعنی موت کا فرشتہ اس کو تمہارے جسم سے (روح کو) پورا پورا نکال لیتا ہے۔ اور پھر اس کے بعد تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے

۲۴۰- حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں یعنی۔ تم (اپنے) آپ کو محض بدن اور دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رل مل کر برابر ہو گئے۔ ایسا نہیں تم حقیقت میں جان

---

(۱) القرآن : ۳۲ (سجدہ) ۱۰

(۲) القرآن: ۳۲ (سجدہ) ۱۱

ہو جسے فرشتہ لے جاتا ہے بالکل فناء نہیں ہو جاتے (موضح القرآن) یعنی موت فناء کا نام نہیں۔ بلکہ جسم سے روح کی مفارقت اور جدا ہونے کا نام موت ہے اور اسی طرح روح کے جسم سے متعلق ہونے کا نام حیات ہے۔

جواب : ۲

۲۴۱۔ اور اگر فلاسفہ کے زعم کے مطابق یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انسان اسی خاص ہیکل محسوس کا نام ہے جو ان خاص قوی اور مزاج کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے۔ اس لئے کہ جس خدا نے پہلی مرتبہ اپنی قدرت سے اجزاء عنصریہ کو ترکیب اور ترتیب دے کر ان خاص قوی اور خاص مزاج کے ساتھ اس ہیکل محسوس کو پیدا کیا۔ اسی طرح اب بھی ممکن ہے۔ اور قدرتِ ازلیہ اور مشیت الٰہیہ اسی طرح شانِ لایزالی اور شان لاابالی رکھتی ہے۔ پھر محال ہونے کی کیا وجہ۔ آخر استحالہ کس راہ سے آیا۔ کوئی بتائے تو سہی۔ حق جل شانہ کا ارشاد ہے:۔

اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین وضرب لنا مثلاً ونسی خلقہ قال من یحیی العظام وھی رمیم۔ قل یحییھا الذی انشاٴھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم (۱)

کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو ایک پانی کی بوند یعنی نطفہ سے پیدا کیا ہے کہ جو انسان کے ان تمام اجزاء لطیفہ کا خلاصہ ہے جو اس کے بدن میں منتشر ہیں۔ انسان پر جب قوتِ شہویہ کا تسلط ہوتا ہے تو ان متفرق اجزاء لطیفہ کی ایک معین مقدار مادہ وانق (نطفہ) کی شکل میں بدن سے جدا ہو کر رحم میں قرار پکڑتی ہے۔ اور پھر اس نطفہ سے ایک دوسرا انسان پیدا ہوتا ہے۔

---

(۱) القرآن: ۳۶ (یٰسین)، ۷۹

سر کے جزء سے سر بنتا ہے اور آنکھ کے جزء سے آنکھ اور کان کے جزء سے کان. الی آخرہ
پس جس طرح خداوند قدوس اپنی قدرت کاملہ سے جسم کے اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے
منی بناتا ہے اور پھر منی کے اجزاء مجتمعہ کو اس طرح متفرق کرتا ہے کہ سر کے جزء
سے سر بن جائے اور پیر کے جزء سے پیر بن جائے. اسی طرح وہ علیم و قدیر اور
حکیم و خبیر اس پر بھی قادر ہے کہ انسان کے متفرق اجزاء کو جو موت کی وجہ سے زمین
میں منتشر ہو گئے ہیں. دوبارہ جمع کر کے پھر ان میں حسب سابق حیات اور ادراک
پیدا فرمائے. اور جو جزء جس محل پر تھا دوبارہ پھر اسی محل پر آجائے. خلاصہ یہ کہ قیامت
کا حاصل جمع اور تفریق ہے

بس جس طرح نطفہ میں جمع اور تفریق ممکن ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی
جمع اور تفریق ممکن ہے.

قیامت کی ایک اور نظیر

۲۴۲۔ دانہ اور گٹھلی میں اگر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ تخم درخت کے اجزاء
متفرقہ کا خلاصہ اور مجموعہ ہے.

کیفیتِ اعادہ
یعنی
حشر و نشر کس طرح ہوگا

۲۴۳۔ کیفیت اعادہ. یعنی دوبارہ زندگی کس طرح ہو گی. علماء نے اس بارہ
میں کلام کیا ہے کہ آیا اجسام اور اعراض عدم کے بعد دوبارہ وجود میں لائے جائیں گے
یا فقط انتشار اور تفریق کے بعد اجزاء منتشرہ کو جمع کیا جائے. بعض علماء کا قول یہ ہے کہ

مرنے کے بعد اجزاء انسانیہ معدوم اور فنا نہیں ہوتے بلکہ متفرق اور منتشر ہوجاتے ہیں۔ حشر کے وقت اللہ تعالیٰ سب اجزاء کو جمع کرے گا اور حسب سابق دوبارہ ان کو پہلی صورت اور پہلی حالت اور پہلی کیفیت پر پیدا فرمائے گا۔

۲۴۴۔ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اکثر اجزاء تو معدوم ہوجائیں گے مگر چند اجزاء فنا ہونے سے باقی رہ جائیں گے۔ وہ ریڑھ کی ہڈی کے اجزاء ہیں جو انسان کے اجزاء اصلیہ ہیں۔ ان اجزاء اصلیہ کو جو متفرق ہوچکے ہیں ان کو دوبارہ جمع کیا جائے گا اور جو اجزاء زائدہ معدوم ہوچکے ہیں ان کو دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا جیسا کہ صحیحین کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

کل ابن آدم یفنی الا عجب	ابن آدم مر کر فنا ہوجاتا ہے مگر ریڑھ
الذنب منه یرکب الخلق	کی ہڈی کے اجزاء باقی رہ جاتے ہیں۔
یوم القیامة	قیامت کے دن انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ

دوسرے اجزاء کو ملا کر ڈھانچہ تیار کیا جائے گا۔

۲۴۵۔ محققین کا مسلک یہ ہے کہ حشر اور اعادہ کا مسئلہ تو قطعی ہے۔ بے شمار آیات اور احادیث متواترہ سے ثابت۔ مگر اعادہ کی کیفیت کا مسئلہ ظنی ہے حشر اور اعادہ دونوں طرح سے ممکن ہے۔ خواہ ایجاد بعد الاعدام ہو یا جمع بعد التفریق ہو۔ سب ممکن ہے اور شریعت کی کسی نص نے اعادہ اور حشر کی کوئی شق متعین نہیں کی۔ اعادہ کی کیفیت کے بارہ میں جس قدر دلائل آئے ہیں سب ظنی الدلالت ہیں۔

۲۴۶۔ شیخ ابن ہمامؒ یہ فرماتے ہیں کہ حق یہ معلوم ہوتا ہے کہ حشر اور اعادہ دونوں کیفیتوں کے ساتھ ہوگا۔ جو اجزاء بالکل معدوم ہوچکے ہیں ان کو دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا۔ اور جو اجزاء متفرق اور منتشر ہوچکے ہیں ان کو جمع کیا جائے گا۔

(مسامرہ صہ ۱۰۶)

(حضرات اہل علم، نبراس شرح۔ شرح عقائد ۳۲۴ کی مراجعت کریں)

حشر و نشر کے متعلق بقدر ضرورت لکھ دیا گیا۔ تفصیل اگر درکار ہو تو اس ناچیز کی تصنیف علم الکلام کی مراجعت کریں۔ اس میں قیامت اور عالم آخرت کے متعلق بہت تفصیل سے کلام کیا گیا ہے۔

عالمِ برزخ

۲۴۷۔ عالم آخرت کا پہلا مسئلہ عالم برزخ کا مسئلہ ہے۔ حدیث میں ہے من مات فقد قامت قیامتہ جو شخص مرا اس کی قیامت آگئی۔ یہ قیامتِ صغریٰ ہے۔ اس قیامتِ صغریٰ یعنی مرنے کے بعد سے نفخ صور تک جو زمانہ گزرتا ہے اس کا نام برزخ ہے کیوں کہ موت عدم اور فنا کا نام نہیں بلکہ جسم سے روح کی مفارقت اور جدائی کا نام موت ہے۔

۲۴۸۔ پس جب روح کا جسم سے ظاہری تعلق منقطع ہو گیا تو حشر تک اس روح کے لئے کوئی مستقر چاہیئے کہ روح اس مستقر میں ٹھہری رہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس درمیانی قرارگاہ کا نام برزخ ہے۔ اس لئے کہ برزخ کے معنی پردہ اور درمیانی حالت کے ہیں۔ اور مرنے کے بعد کی حالت بھی۔ عالم دنیا اور عالمِ آخرت کی درمیانی حالت ہے۔ اس لئے اس حالت کا نام برزخ ہو گیا کما قال تعالےٰ

ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون (۱) اور ان کے مرنے کے بعد ایک پردہ ہے کہ جس میں حشر اور بعث تک رہیں گے

---

(۱) القرآن : ۲۳ (مومنون) ، ۱۰۰

۲۴۹۔ عالم تین ہیں۔ ایک عالمِ دنیا اور ایک عالمِ برزخ اور ایک عالمِ آخرت چونکہ عالمِ برزخ۔ عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت کے درمیان ہے۔ اس لئے اس کو عالمِ برزخ کہتے ہیں اور احادیث میں جو عذاب قبر اور ثوابِ قبر کا ذکر آیا ہے۔ وہاں قبر سے وہ گڑھا مراد نہیں جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ اس سے یہی عالمِ برزخ مراد ہے۔ اس میں مردہ سے سوال وجواب اور اس میں ثواب و عذاب ہوگا۔ اگر کسی کو بھیڑیئے اور شیر نے کھالیا تو وہی اس کے لئے برزخ ہے اور اگر اس کو جلا دیا گیا تو جہاں اس کے اجزاء ہوں گے اسی جگہ اس کو یہ واقعات پیش آئیں گے۔ لیکن چونکہ شریعت میں دفن کرنے کا حکم ہے۔ اس لئے احادیث میں عالمِ برزخ کو قبر سے تعبیر کیا گیا۔

۲۵۰۔ عذابِ قبر کا مسئلہ قطعی نصوص سے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا اپنی دعاؤں میں عذابِ قبر سے پناہ مانگنا تواتر کو پہنچا ہے۔ جو لوگ عذابِ قبر کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم میت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس کے بدن پر علامت عذاب کی محسوس نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عذاب جو قبر میں ہوتا ہے اور جو شخص اس کے پاس بیٹھتا ہے اس کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اب اگر یہ شخص خواب سے بیدار ہو کر عالم رویاء کے واقعات اور کیفیات کو ایسے شخص کے سامنے بیان کرے کہ جس کو کبھی سونے اور خواب دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو وہ فوراً اس کا انکار کردے گا اور ایک لمحہ کے لئے اس کے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ اور اس خواب دیکھنے والے سے کسی دلیل عقلی کا بھی مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی اس سے دلیل عقلی پوچھے تو اس کو احمق بتایا جائے گا۔ اور خواب دیکھنے والا یہ کہے گا کہ غالباً آپ کبھی سوئے نہیں۔ جب تم سوؤ گے تو تم پر یہ باتیں واضح ہو جائیں۔ اسی طرح ہمارا بھی یہی جواب ہے

کہ جب تم مرو گے معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہاں کیا گزرتی ہے۔

پرسید یکے عاشقی چیست   گفتم کہ چو ما شوی بدانی

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمّد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ وعلینا معھم یا ارحم الرحمین۔ فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین۔ آمین، یارب العالمین۔ ربنا تقبل منا انک السمیع العلیم وتب علینا انک انت التوّاب الرحیم آمین

۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ

لاہور

اشاریہ ـــــ رجال

صفحات کے بجائے پیراگراف کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہے

س

ع - غ

ف

ک

م

ھ - ی

LIBRARY
JAMIA HAMDARD
U45062

دعوۃ اکیڈمی کے اغراض و مقاصد

- دعوت و تبلیغ کے میدان میں تعلیمی تربیتی اور تحقیقی پروگراموں کی منصوبہ بندی کرنا اور انہیں فروغ دینا
- مساجد کے ائمہ اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے تربیتی پروگرام تیار کرنا۔
- دعوت و تبلیغ اور تربیت ائمہ کے پروگرام کا لائحہ عمل اور طریق کار وضع کرنا
- دعوتی میدان میں اسلامی لٹریچر کی تیاری اور اس کو پھیلانے کیلئے مناسب منصوبہ بندی۔
- دعوتی نقطۂ نظر سے سمعی و بصری پروگرام تیار کرنا
- ملک کے اندر اور باہر دعوت اسلامی کے مقاصد رکھنے والے دیگر اداروں کے ساتھ تعاون اور رابطہ
- خط و کتابت کے ذریعے عوام الناس تک دین کی دعوت پہنچانا۔
- دعوت و تبلیغ کا ایک بین الاقوامی معلوماتی مرکز قائم کرنا
- اکیڈمی کے مقاصد کی تکمیل کے لیے دعوتی کتب، رپورٹوں، تعلیمی جائزوں اور دیگر ایسے مواد کی اشاعت کا اہتمام کرنا جو دعوتی کام میں ممد و معاون ہو
- اکیڈمی کے پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے علاقائی مراکز قائم کرنا۔

دعوۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد